AC117A

اَدھیائے اوّل بکھیاد جوگ نام

بیان اضطرار ارجن

بنام فروزندۂ ما سوا — کہ ہے طرح انداز ارض و سما
بساطِ سخن کو سجاتا ہوں میں — سنو دل سے گیتا سُناتا ہوں میں
دھرت راشٹر نے یہ کہا سنجے سے — جو میں پوچھتا ہوں جواب اس کا دے
کورکشیتر[ط] ہے جو کہ جنّت نشاں — اور اک مزرع آخرت بے گماں
وہاں کیرواں پانڈواں وقت جنگ — تھے کس طرح رونق دہ نام و ننگ

ط میدان کورکشیتر کے متعلق اندر نے راجہ کورو کو دعا دی تھی کہ اس کھیت میں جو جنگ کرتے ہوئے مرینگے وہ جنّتی ہوں گے۔ اس مصرع کو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں

وہ کرکھیت ہے جو کہ جنّت نشاں ۔ آلم

ہیں یوں زینت لشکر دشمناں — ستاروں میں جیسے مہ ضوفشاں
دہ ششبو یہ اور کنت بھوج ابھمن — ہر اک اُن میں ہے خود وحید زمن
ذرا دیکھیئے پروجت کا وقار — جھکتے ہیں جس سے دلیرانِ کار
جہاں پہلوان انموجا کی شان — سراپا ہے مردانگی کا نشان
دہرشٹ کیت اپنی جگہ با کمال — نظر آرہا ہے بشان وجلال
وہ پانچوں پسر پانڈوان کے دلیر — پلنگ وغا ہیں کہ غرندہ شیر
ہر اک ان میں ہے رو کش دہ ہزار — بمیدان کین سب ہیں جویائے کار
ادہر آپ اور بھیشم[2] بے مثال — مددگار ہوں گے بوقت قتال
کرن اور کرپ آزمودہ فن — ہر اک قدر انداز اور تیغ زن
[3]پسر آپ کا ہے مرا غم گسار — کرن بھی معاون ہے ہنگام کار
مجھے بکرن سومدت پر ہے ناز — یہ ہیں پہلوانان گردن فراز
علاوہ ازیں میرے خویش وتبار — بہادر ہیں سب اور مردان کار
بہر یک نفس ہیں سبھی رزم جو — کریں گے مجھے وقت پر سرخرو
اگرچہ ہے کم لشکر دشمناں — مگر مثل اژدر ہے ہر اک نوجواں
مری فوج ہے واقعی بے شمار — نہیں خوش مگر بھیشم نامدار

آہنگ سرمدی

یعنی

عرفان مختوم

ترجمہ

گیتائے منظوم

از جناب الم مظفرنگری

ناشر

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

طبع اوّل

رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ   مئی ۱۹۵۴ عیسوی

قیمت ۶/-

6/00

مطبوعہ اشوک پریس دہلی

حرفِ نخستیں

باذات بہر صفت گر ایند خوش است
نغمہ بہر آہنگ سرایند خوش است
از بہر خدا ہیچ عمل ضائع نیست
در خلد زہر در کہ درآیند خوش است

"گیتا" فلسفۂ ہنود کی ایک قدیم اور مستند کتاب ہے اگرچہ اس کا مرتبہ دید دل کے بعد ہی سمجھنا چاہیئے لیکن اس کی بعض خصوصیات اتنی ممتاز اور اعلیٰ ہیں جن کی وجہ سے اس کو ویدوں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے ۔ دنیا کی کئی مشہور اور قدیم زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے خصوصاً اہل یورپ نے اس کو زیادہ قابل اعتنا سمجھا ۔ عہد اکبری میں علامہ فیضی نے فارسی زبان میں اس کا منظوم ترجمہ کیا اور ایسا کہ زبان و بیان کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں چونکہ علامہ موصوف سنسکرت، عربی اور فارسی کے متبحر عالم تھے اور ان کی شاعرانہ حیثیت بھی مسلم تھی اس لئے قدرتی طور پر اُن کا ترجمہ ہر جہت سے بہترین ہونا ہی چاہیئے تھا ۔ اصل کتاب اور اس کے بعض تراجم دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا

ہوں کہ گیتا کا مقصود جیسا علامہ فیضی کی مثنوی سے سمجھا جا سکتا ہے کسی اور کتاب سے نہیں سمجھا جا سکتا، اُن کی مثنوی میں معانی و مفاہیم اس طرح نمایاں ہو جاتے ہیں کہ ان کے سمجھنے میں ذہن انسانی کو پریشانی نہیں ہوتی کیونکہ گیتا کے بعض مفسرین اور شارحین کی طرح وہ پیچیدہ بیانی سے کام نہیں لیتے اور خواہ مخواہ سیدھی بات کو اُلجھانے کی کوشش نہیں کرتے - ایک عرصہ سے میرا خیال تھا کہ اگر علامہ فیضی کی اس مثنوی کا اُردو میں ترجمہ کر دیا جائے تو یہ ان حضرات کے لئے بے حد مفید ہو گا جو فارسی اور سنسکرت سے ناواقف ہیں، علاوہ ازیں اُردو کے ذخیرۂ ادب میں ایک مفید کتاب کا اضافہ بھی ہو جائے گا لیکن بعض نامساعد حالات کی وجہ سے میرا یہ ارادہ عملی صورت نہ اختیار کر سکا ایک روز جناب سید شفاعت حسین صاحب بی۔اے علیگ پرنسپل اسلامیہ انٹر کالج مظفر نگر نے مجھ سے فرمایا کہ گیتائے منظوم فارسی مصنفہ علامہ فیضی کا اُردو میں ترجمہ ہونا چاہیئے اور ایسا کہ قارئین کتاب کے لئے مفید و کارآمد ثابت ہو سکے - چونکہ پہلے سے یہ مقصد میرے بھی زیر نظر تھا اس لئے اُن کی تحریک بروقت میرے لئے ہمت افزا ثابت ہوئی اور میں نے اکتوبر ۱۹۵۳ء میں پوری کتاب کا مکمل ترجمہ کر لیا - ترجمہ کرتے وقت کوشش کی گئی ہے کہ اصل کتاب کے معانی و مضامین اُردو زبان میں اس طرح منتقل ہو جائیں کہ زبان و بیان کی خوبیاں مجروح نہ ہونے پائیں - میں اُس ارادے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ قارئین کرام خود کر سکیں گے البتہ میں نے پوری توجہ صرف کرنے میں کوتاہی نہیں کی - چونکہ گیتا ایسی کتاب کا اُردو میں ترجمہ کرنا اور وہ

بھی نظم میں آسان کام نہ تھا۔ لہٰذا اگر کسی مقام پر مجھ سے فروگزاشت بھی ہو گئی ہو تو مجھ کو معذور سمجھا جائے۔ ترجمہ کرتے وقت علامہ فیضی کی مثنوی کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں پیش نظر رہی ہیں۔ لیکن ترجمہ میں خاص طور پر جو امداد علامہ موصوف کی مثنوی سے میسر آئی حقیقتاً میرے ترجمہ کی جان وہی رہی ہے میں نے زیادہ تر انھیں کے طرز بیان کی پیروی کی ہے اور معانی و مفاہیم کی ترتیب میں انھیں کے نقطۂ نگاہ کو مدنظر رکھا ہے۔

گیتا پر ایک نظر

اس کتاب میں اٹھارہ ابواب ہیں اور جہاں تک مضامین کا تعلق ہے وہ عمل بے غرض، محبت الٰہی اور عرفان حقیقی کی تائید و تشریح پر مشتمل ہیں۔ یہ کچھ گیتا ہی پر منحصر نہیں بلکہ مذاہب عالم کی تمام کتبِ مقدسہ میں اس قسم کے مضامین پائے جاتے ہیں خصوصاً قرآن مجید میں جن اصول کے ماتحت دعوتِ حق کا اعلیٰ معیار قائم کیا گیا ہے ان کی بنیاد انھیں تین چیزوں پر ہے۔ اسلام عملی زندگی کو حیاتِ انسانی کا نصب العین قرار دیتا ہے اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے محبت و عرفانیت کو لازمی سمجھتا ہے اس طرح گیتا میں سب سے زیادہ عمل بے غرض کی تلقین پائی جاتی ہے اور یہ طریق دعوت اس میں مختلف پہلوؤں سے بیان ہوا ہے جس کو وہ اپنی زبان میں کرم یوگ سے تعبیر کرتی ہے وہ کہتی ہے کہ انسان فطری طور پر مکلف ہے اس امر کے لئے کہ وہ دنیا میں اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہوا بنی نوع انسان کے باہمی حقوق کی نگہداشت کرے اور کسی عالم میں بھی اختیار عمل سے باز نہ رہے کیونکہ بغیر عمل بے غرض اس کی کسی بھی عبادت و ریاضت سے کوئی مفید ثمرہ مرتب نہیں ہو سکتا

اور یہ وہی اصولِ تبلیغ ہے جس کا قرآن مجید نے بھی کھلے الفاظ میں اعلان کیا ہے۔

عہدِ گیتا

گیتا پر ایک گہری نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں جنگ مہابھارت واقع ہوئی اور سری کرشن جی نے ارجن کو بطریقِ وعظ گیتا سُنائی اُس وقت ہندوستان کی قوم مختلف عقائدِ باطلہ کا شکار ہو چکی تھی تفرق و تشتت اور افراط و تفریط کی لعنت نے اُن کے مرکزی عقیدہ کو درہم برہم کر دیا تھا بالکل اسی طرح جیسے کہ دورِ جاہلیت میں عرب کو غلط رسم و رواج اور عقائدِ فاسدہ نے کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا چنانچہ یہاں بھی امتیازِ حسب و نسب اور غرور و پندار کے غلبۂ باطل نے حقیقی انسانیت کا تصور ذہنوں سے مٹا دیا تھا انسان بزعمِ خود دعویٰ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کرتا تھا اونچی ذات کے لوگ دوسروں کو اپنے سے فروتر سمجھتے تھے اور اپنے غلبہ باطل کے بھروسے پر انسان اور انسانیت کی تذلیل کرتے تھے۔ ارجن کا یہ اعتراض کہ میں اپنے اعزہ سے جنگ نہیں کر سکتا کیونکہ اُن کی تباہی سے افرادِ اعلیٰ کا استیصال ہو جائے گا اور یہ ایک بہت بڑا گناہ عظیم ہے جس کا وہ کسی حالت میں مرتکب نہ ہوگا درحقیقت نسل پرستی ہی کی بنیاد پر تھا۔ لیکن سری کرشن جی نے اس کے اعتراض کا جواب اسی انداز سے دیا جس طرح پیغمبرِ اسلام نے شرفائے عرب کو دیا تھا جبکہ وہ نسلی تفوق کا مظاہرہ بار بار کرتے تھے اور غرور و پندار کے نشہ میں خدا کی ودیعت کی توہین کرتے تھے۔

سری کرشن جی کی تلقین و دعوت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم دید و ...

کا احترام تو کرتی تھی مگر اُن کی اصل تعلیم سے مطلقاً غافل تھی جس کی بڑی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ بعض قومی مفسرین نے ویدوں کے اصل مضامین کو تحریفات کا نشانہ بنا دیا تھا۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جب کسی قوم میں اصل مذہب کا تصور مفقود ہو جاتا ہے تو اس میں ہر طرح کے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں اور غلط رسم و رواج کے شیوع کی بنا پر روحِ مذہب فنا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہند میں جپ، تپ اور یگیہ (دعوت) وغیرہ کے سلسلے میں اس قدر بدعات رواج پذیر ہو چکی تھیں کہ سری کرشن جی کو اُن کے دور کرنے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔

دیوتاؤں کی پرستش کرنا اور اُن سے ہر مقصد کی تکمیل کے لئے دعائیں مانگنا، بُتوں پر چڑھاوے چڑھانا اور نذر و نیاز ماننا اسی طرح ثوابِ کار سمجھا جانے لگا تھا جیسے کہ دورِ جاہلیت میں قوم عرب کا دستور تھا۔ گیتا نے اس قسم کی کفریات سے قوم کو بلند ہونے کی تلقین کی اور بتایا کہ صرف ذاتِ باری تعالٰے قابلِ پرستش ہے اس کے سوا کسی کو نہ پوجا جائے اور سمجھایا کہ جو لوگ غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں وہ غلط راستے پر گامزن ہیں ایسے پجاری کبھی نجات حاصل نہیں کر سکتے اس نے صاف لفظوں میں کہا کہ اہلِ معرفت کے لئے وید ایسے ہی بیکار ہیں جیسے کہ کنواں اس مقام پر جہاں پانی کثرت سے ہو اس مثال سے گیتا کا مقصد یہ ہے کہ جب انسان تقرب الی اللہ حاصل کر لیتا ہے تو اس کو کتبِ مقدسہ کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ انسان اس منزل پر پہنچکر ذاتِ حق کا مظہر بن جاتا ہے یعنی وہ حدودِ صفتِ بشری سے بلند ہو جاتا ہے۔

جہاں تک گیتا کے اندازِ تبلیغ و دعوت پر غور کیا جاتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک ایسا مقصد عظیم پیش کرتی ہے جسکو تمام اعمالِ انسانی کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے وہ ہے صرف عمل بے غرض وہ کسی عالم میں بھی انسان کو اختیارِ عمل سے مستغنی قرار دینے کے لئے تیار نہیں بار بار فرائضِ زندگی کو پورا کرنیکی تلقین کرتی ہے اور کہتی ہے کہ محض ظاہری پابندی وید۔ اہتمام یگیہ (دعوت) اور مفروضہ رسم و رواج کی تائید سے خدا کا وصل حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں ایسے یگیہ (دعوت) جو خدمت خلق کے لئے کی گئی ہوں اور ان میں ذاتی اغراض شامل نہوں حقیقی یگیہ (دعوت) ہیں اور انھیں سے منزلِ مقصود تک رسائی ہو سکتی ہے۔

تزکیۂ نفس

تمام مذاہب عالم میں تزکیۂ نفس کی تعلیم و تلقین بھی کسی نہ کسی نوعیت سے ضرور پائی جاتی ہے اسلام نے خلقت انسانی کا منشا رہی اس کو قرار دیا ہے، گیتا میں متعدد مقامات پر اس عنوان خاص پر بہت کچھ کہا گیا ہے اس کے نزدیک نفسِ امارہ پر قابو پانا ہی اعمالِ زندگی میں طریقِ اعتدال اختیار کرنا فرائضِ انسانی میں سے ایک اہم فرض ہے۔ وہ کہتی ہے جسم کو پاک رکھنا اور کسی ایسے فعل کا صدور جسم سے ہونے دینا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو جسم کی عبادت ہے اور فضول گوئی سے بچنا زبان کی عبادت ہے اس طرح تمام حواس پر قابو پانا اور اطمینان قلبی حاصل کرنا دل کی عبادت ہے مراد یہ کہ انسان اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوتوں پر اس طرح غالب آجائے کہ اس کا کوئی فعل بھی مرضیِ حق کے خلاف نہو اور تمام قوائے جسمانیہ پر روحانیت کا تسلط ہو جائے اس قسم کی عبادت

وریاضت اختیار کرنے والا اس کی زبان میں برہمچریہ کہلاتا ہے۔

قوائے نفسانیہ کو اعتدال پر لانے اور اعمالِ زندگی میں تائید فطرت کو ملحوظ رکھنے ہی کو وہ باعث نجات قرار دیتی ہے اس کے نزدیک جو شخص خواہشات نفسانی کو نہیں دبا سکتا اور لذاتِ باطلہ سے پرہیز نہیں کر سکتا وہ مستحق نجات نہیں ہے۔

نسبی تخیل

مذاہب عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و ضلالت کے گہرے غار میں گری اور اپنے صحیح مرکز سے ہٹ کر افراط و تفریط کی لعنتوں میں گرفتار ہوئی تو اس کا اصلی سبب صرف نسبی تخیل تھا یہی وہ گمراہی ہے جس کو تمام گمراہیوں کی اصل قرار دیا جا سکتا ہے اسی تفوق جوئی کے جذبۂ باطل نے انسانوں سے خدائی کے دعوے کرائے اور تمام حقوقِ انسانی اور علوئے انسانیت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا بلاشبہ اس سے بڑھ کر اور کوئی گمراہی اور ظلم نہیں ہو سکتا کہ انسان پیدائشی طور پر اپنے کو دوسروں سے اعلیٰ و افضل ٹھہرائے۔ فراعنۂ مصر کا دعویٰ خدائی ہو یا کلدانیوں کا جبروت باطل یہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ سری کرشن جی کے زمانہ میں بھی قوم ہندوستان کا یہی تخیل حد سے گزر چکا تھا اور یہاں کے رہنے والے مختلف طریقوں سے خدائی کا دعویٰ کرنے لگے تھے اس لئے گیتا نے وقت پر پرزور الفاظ میں اس تخیل کی تردید کی اور بتایا کہ سب انسان پیدائشی طور پر آپس میں برابر ہیں ہاں اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو وہ اس کے اعمالِ حسنہ کی بنا پر ہے خدا کے نزدیک وہی پسندیدہ اور برگزیدہ ہے جو حسن عمل کا حامل ہے۔ گیتا کی یہ تعلیم بھی ہو بہو قرآن مجید کے مطابق ہے کیونکہ اس نے بھی معیار فضیلت صرف

اتقا اور پرہیزگاری کو قرار دیا ہے۔

گیتا نے کہا برہمن چھتری ویش اور شودر کی تقسیم و تمیز پیدائشی اور پر نہیں ہے بلکہ تعینِ عمل کی بنا پر ہے مثلاً جو شخص اپنے حواس پر قابو رکھتا ہے اور علم و معرفتِ الٰہی کی منزلیں طے کرتا ہے وہ برہمن ہے اسی طرح جس نے بہادری اور انتظامی حالات و حقائق کو سمجھ کر ان شعبوں میں اعلیٰ قابلیت حاصل کر لی اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کے لیے جہاد کیا وہ چھتری ہے اور جس نے زراعت و تجارت کی صنعت میں ترقی کی ہے وہ ویش ہے، جس نے دوسروں کی خدمت کرنے میں اچھا ملکہ حاصل کیا وہ شودر اس تقسیم کا پیدائش اور خاندان سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ کوئی مذہبی تقسیم ہے، بلکہ اعمال کی بنا پر تعینِ مراتب ہے تاکہ نظمِ تمدن میں فرق نہ آنے پائے اور قوم کا نظامِ زندگی درہم برہم نہ ہو جائے تقسیم و تعینِ کار کی بنا پر اعلیٰ و ادنیٰ کا تصور قائم کر لینا۔ ایک شدید گمراہی ہے۔

ہر ملک و قوم میں تقسیم کار کی بنا پر اس قسم کے افراد پائے جاتے ہیں پس سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں کہیں بھی صاحبانِ علم و معرفت ہیں وہ برہمن ہیں بہادری اور انتظامی معاملات میں ترقی کر جانے والے چھتری اور اسی طرح زراعت و تجارت کے ماہر ویش اور دوسروں کے خدام شودر ہیں ایرانِ قدیم کی تاریخ میں بھی ایسی ہی تقسیم کار کا ذکر موجود ہے۔

عہد گیتا میں جہاں اور بہت سے پریشان کن خیالات اور رسم و رواج تھے وہاں اختیارِ عمل اور ترکِ عمل کی بحث بھی ایک مستقل صورت اختیار کر چکی تھی دو جماعتیں ایسی پیدا ہو گئی تھیں جن میں ایک اتصالِ افعالی یعنی کرم یوگ کو ضروری سمجھتی تھی اور اسی کو انسانی

زندگی کا منصب العین قرار دیتی تھی دوسری جماعت رہبانیت یعنی سانکھیہ جوگ کی طرف جھکی ہوئی تھی اُس کے نزدیک اختیار رہبانیت ہی نجات کا اصلی سبب تھا۔ گیتا نے ان دونوں طریقوں کے ماننے والوں سے کہا کہ انسان اختیار عمل سے تو کسی عالم میں بھی مستغنی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ فطری طور پر اتصالِ انعالی کے لئے مکلف ہے البتہ خواہشات نفسانی کا ترک ہی ترکِ عمل سمجھنا چاہیئے اور یہ کہ جب انسان روحانی ترقی کرتا ہوا ذاتِ حق سے متصل ہو جائے اور اس کا یہ توصل بھی مکمل ہو جائے تو اُسے خود اتصالِ اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی بس یہی منزل ترکِ عمل کی ہے اور یہ درجہ اتصال انعالی سے نصیب ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ اتصال انعالی ہی انسانی زندگی کا عین مقصد ہے وہ رہبانیت جو بغیر عمل اختیار کی جائے سیدھے راستے پر نہیں لیجاتی اسلام نے بھی یہی کہا ہے۔

گیتا سے کہیں بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اتصال انعالی یعنی کرم یوگ کے سوا کوئی اور تعلیم دیتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی زور دیکر کہتی ہے کہ ہر عمل میں مرضیِ حق کو مدنظر رکھا جائے اُس کے نزدیک جو شخص اپنی خواہشوں کا غلام نہیں اور خود غرضی سے علیحدہ ہو کر فرائضِ زندگی کو ادا کرتا ہے وہی سنیاسی بھی ہے اور کرم یوگی بھی۔

بلا شبہ اتصال انعالی سے استغنا کا دعویٰ کرنا انسان کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہے، سب کچھ چھوڑ کر اور تمام حقوقِ انسانی کی حدوں سے بے نیاز ہو کر تجرد اختیار کرنا سراسر نادانی ہے، گیتا میں اس قسم کی تعلیم کہیں بھی نہیں پائی جاتی وہ بار بار کہتی ہے کہ اپنے حواس پر قابو پانا دوئی کو چھوڑنا تکلیف و آرام کی پرواہ نہ کرنا تمام دنیا کو فائدہ پہونچانا کسی سے دشمنی نہ کرنا حقیقی

فرائضِ انسانی ہیں اور یہ کہ اُن پر عمل کئے بغیر نجاتِ حقیقی ممکن نہیں، جو ان راہوں پر گام زن رہے گا وہی پسندیدۂ حق ہے خدا اس کو پیار کرتا ہے جو سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے اور اس سے کوئی نہ ڈرے۔ یہ تمام تعلیمات ایسی ہیں جن میں انسان کو متمدن بننے کے لئے صحیح راستے پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے۔ گیتا نے یہ بھی کہا کہ جو لوگ بظاہر عبادت گزار ہیں اور ریاضت میں مشغول رہتے ہیں لیکن غرور و پندار کو نہیں چھوڑتے ان کی عبادت خدا کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو وہ ریاکار ہیں اور کسی بھی ثواب کے مستحق قرار نہیں دیئے جا سکتے بلکہ اُن کی یہ تمام عبادات و ریاضات کارِ شیطانی ہیں، مستحق ثوابِ دارین تو وہ ہیں جو خودی کو چھوڑ کر تمام خلقِ خدا کی خدمت کرتے ہیں اور فرائضِ انسانی کے ادا کرنے میں کسی بھی جابر و قاہر قوت کی پروا نہیں کرتے۔

وحدت الوجود

انھیں تعلیمات کے ساتھ ساتھ گیتا یہ بھی کہتی ہے کہ خدمتِ خلق صحیح معنٰی میں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان عرفانِ الٰہی سے فیضیاب نہ ہو اور عرفانیت میں اس وقت تک کمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ انسان وحدت الوجود کا قائل ہو کر عملی طور پر اس کی تمام منزلوں کو طے نہ کر لے وہ کہتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب ذاتِ حق ہی کے مظاہر ہیں سوائے اس کے اور کوئی شے موجود نہیں ہم فریب نظر کی بنا پر اشیاء کے مختلف نام رکھ لیتے ہیں ورنہ ایک ہی جلوہ ہے جو ہر رنگ میں پرتو افگن ہے، اس فلسفے کی تبلیغ بعض عرفائے اسلام میں بھی پائی جاتی ہے شیخ اکبرؔ، مولانا روم اور دیگر مشہور علمائے متصوفین نے اس پر کافی لکھا ہے اسلامی متصوفین میں ایک اور جماعت بھی ہے جو وحدت الوجود یعنی ہمہ اوست کے مقابلے میں ہمہ از اوست (وحدت شہودی) کے قائل ہے ان مسائل کی کیا حقیقت ہے

اس پر بحث کرنا میرا کام نہیں مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ گیتا ہمہ اوست کی تعلیم دیتی ہے چنانچہ وہ زور دیکر کہتی ہے کہ جب تک انسان ہمہ اوست کی حقیقت کو نہیں سمجھتا اور ہر وجود کو محض اعتباری سمجھ کر ہر جگہ ذاتِ واحد کا جلوہ نہیں دیکھتا اس وقت تک وہ نجاتِ حقیقی حاصل نہیں کر سکتا اور خدمتِ خلق بھی صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا وہ کہتی ہے کہ جب انسان ہر جگہ ہر شے میں جلوہ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ متوصل بحق ہو جاتا ہے وہ ایسے ہی شخص کو یوگی کہتی ہے اس کے نزدیک وحدت الوجود کی حقیقت کو سمجھے بغیر انسان کوئی بھی درجہ روحانیت کا طے نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ خدمتِ خلق کے اہم فرض کو پورے طور پر انجام دے سکتا ہے۔

تضاد جہاں تک گیتا کی تعلیم کو دیکھا جاتا ہے اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے توحید پرستی ہی کی تعلیم دی ہے کفر اور شرک سے کلیتہً اس کی تلقین پاک ہے، اُس نے کھلے الفاظ میں کہا ہے سوائے ذاتِ احد کے اور کوئی نہ پوجا جائے وہ شرک کو موردِ الزام ٹھہراتی ہے اور غیر اللہ کی پرستش کو ناقابل معافی جرم قرار دیتی ہے۔ لیکن نہایت حیرت کی بات ہے کہ اس میں ایک جگہ ایسا طریق بیان بھی پایا جاتا ہے جس سے شرک کی بو آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض حالتوں میں دیوتاؤں کی پرستش کی بھی اجازت دیتی ہے۔ وہ ایک مقام پر کہتی ہے۔

"اگر ناسمجھ انسان بعض رسم و رواج میں مشغول ہو کر کسی یقین کے سہارے اچھے کاموں میں لگ جائیں تو ان کو اسی حالت میں چھوڑ دینا چاہیئے اگر اُن کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی جائے گی تو ایسا کرنے سے اُن کے اعتقاد میں کمزوری آ جائے گی"

اسی خیال کے ساتھ ساتھ مختلف دیوتاؤں اور ملائکہ کی پرستش کے لئے بھی ایک ایسی ہی

بات کہی گئی ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے چونکہ ذاتِ باری تعالےٰ حدِ ادراکِ انسانی سے بالاتر ہے، نہ اس کی ابتدا ہے نہ انتہا مگر سب کے دل میں موجود ہے اور ہر شے میں پرتو افگن ہے۔ اس لئے اگر اس کا کوئی مظہر سامنے رکھ کر پوجا کی جائے تو مضائقہ نہیں کیونکہ دیوتاؤں کے نام خدا کی صفت و طاقت کے مختلف نام ہیں اس لئے دیوتاؤں کی پرستش اسی کی پرستش ہے (۱۲۔۳۔۱۲ م ۵) تاریخ عالم بتاتی ہے کہ اس قسم کی تعلیم کا نتیجہ ہمیشہ انسان کو گمراہی کی طرف لے گیا اور یہیں سے بُت پرستی کی بنیاد پڑی۔ گیتا کی یہ رائے سری کرشن جی کی رائے قرار نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ جب اُنھوں نے بار بار ماسوا کی پرستش سے روکا ہے اور صاف الفاظ میں بتایا ہے کہ غیر اللہ کی پوجا کسی طرح جائز نہیں اور یہاں تک بات کو کھول کر بیان کیا کہ جو لوگ دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں وہ دیوتاؤں تک پہنچتے ہیں کیونکہ بزعم خود اُنھوں نے دیوتاؤں کو معبود تسلیم کیا گناہوں سے بچنے کا تو صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ ذاتِ واحد کی پرستش کی جائے ظاہر ہے کہ جس کتاب میں خالص توحید کی تعلیم دی گئی ہو وہ ماسوا کی پرستش کا کب حکم دے سکتی ہے۔

رہی یہ بات کہ پھر گیتا میں دیوتاؤں کی پوجا کا ذکر کیوں موجود ہے اس کا جواب صاف طور پر یہ ہے کہ سری کرشن جی نے تو خالص توحید ہی کی تلقین و دعوت کا فرض ادا کیا تھا اور ماسوا کی پرستش سے روکا تھا لیکن گیتا کے مضامین میں اضافہ کرنے والوں نے اپنی طرف سے باتیں بڑھا دیں علمار ہنود خود اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ سری کرشن جی نے تو صرف سات اشلوک میں ارجن کو نصیحت کی تھی اکیس سات

اشلوک کو بڑھا کر بیاس جی نے سات سو اشلوک بنا دیئے ظاہر ہے کہ کرشن جی نے تو بہت مختصر طور پر صحیح صحیح احکام ارجن کو بتائے ہوں گے تاکہ وہ حقیقت آشنا ہو جائے لیکن بیاس جی نے اُن کے مختصر مضمون کو اس قدر بڑھایا کہ وہ سات سو اشلوکوں میں جا کر ختم ہوا لہذا یہ بیاس جی کی تشریح و تفصیل کا نتیجہ ہے کہ اصل کتاب میں کچھ دوسرے مضامین بھی درج ہو گئے۔

یہ کچھ گیتا پر ہی منحصر نہیں بلکہ تمام مذاہب عالم کی کتب مقدسہ کا یہی حال ہے کہ وہ انسانی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکی ہیں۔ تورات و انجیل ہی کو دیکھ لیجئے کہ جہاں ان میں صحیح تعلیم کا معتدبہ حصہ موجود ہے وہاں تحریفاتِ انسانی کی کرشمہ سازیاں بھی برابر پائی جاتی ہیں اس لئے قرآن مجید نے کتبِ سماویہ کی تائید کے ساتھ یہ بھی کہا کہ احکام الٰہیہ اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں رہے اس لئے میں ان کو پھر اصلی حالت میں لیکر نازل ہوا ہوں۔

بلاشبہ گیتا کا ایک بہت بڑا حصہ وہی ہے جسے سری کرشن جی کی تعلیم و تلقین اور دعوتِ حق کہا جا سکتا ہے لیکن اس میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو اُس کے مفسرین و شارحین نے اپنی طرف سے اضافہ کر دی ہیں اور جنھیں گیتا کی تعلیم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا گیتا کا جتنا حصہ قرآن مجید کے مطابق پایا جاتا ہے اس کی سچائی سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ مضامین جن میں انسانی دستبرد جھلک رہی ہے اہل تحقیق کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں نہایت مبارک ہیں وہ ہستیاں جو الہامی کتابوں کا مطالعہ

کرتے وقت ادراکِ قوی اور ظنِ غالب سے کام لیتی ہیں ۔

گیتائے منظوم علامہ فیضی کا ترجمہ کرتے وقت یہ تین کتابیں خاص طور پر میرے سامنے رہی ہیں۔ جن سے بعض مضامین کے سمجھنے میں کافی مدد ملی ۔

(۱) گیتا سبودھنی کا فارسی ترجمہ جو لالہ بہاری لال نے کیا ہے یہ کتاب جناب پنڈت رام پرشاد صاحب کچلو ایم، اے مظفر نگری سابق سکریٹری پبلک سروس کمیشن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے انھوں نے وقت پر اس کتاب سے مجھے مستفید ہونے کا موقعہ دیا میں اُن کا بے حد شکر گزار ہوں ۔

(۲) گیتا اور قرآن مولفہ جناب پنڈت سُندر لال صاحب ۔

(۳) گیتا رہسیہ مولفہ جناب تلک آنجہانی اس کتاب کا اُردو ترجمہ جناب شانتی نارائن نے کیا ہے اور یہی اُردو ترجمہ میرے پیش نظر رہا ہے ۔

اب آپ اصل کتاب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ یہ خاکسار کہاں تک اپنے مقصد میں کامیاب ہوا ہے ۔

آلم

لڑے کیسے مردانِ جنگ آزما ۔ مفصل بتا مجھ کو یہ ماجرا
ہوا سنجے اس طرح پاسخ گزار ۔ کہ ہے شاہ فرخندہ و کامگار
دو افواج گرداں بہ میدان کین ۔ پئے جنگ تیار جب ہو گئیں
تو فرزند[۱] نے آپ کے زود تر ۔ سوئے فوج دشمن اُٹھائی نظر
صف آرائی لشکرِ پانڈوان ۔ جو دیکھی مقابل باعزاز و شان
درونا اچارج[۲] سے جا کر کہا ۔ کہ اے صاحبِ فہم و علم و ذکا
قلعہ بندیٔ دشمناں دیکھئے ۔ ہر اندازِ فوجِ گراں دیکھئے
دھرشٹہ دیومن ہے سالار فوج ۔ کہ ہے باعثِ رونقِ کارِ فوج
ہے نزدیک ہی اُس کے بھیم دلیر ۔ نکل اور سہدیو بھی مثلِ شیر
کھڑا ہے وہیں ارجن صف شکن ۔ جو تیر افگنی میں ہے فخرِ زمن
ہے طرف دگر ساتگِ نامدار ۔ قوی پنجہ بیراٹ بھی باوقار
وہ ہے رائے جیدرتھا[۳] بفوج گراں ۔ گرجتا ہے جو مثلِ شیر ژیاں
ذرا دیکھئے تو دروپد[۴] کا اوج ۔ ہے فوج اس کی یا کوئی دریا کی موج
کرشن مہاراج گردوں پناہ ۔ ہے درجن کا شاہوں کی اُمید گاہ

---

۱ جرجودھن ۲ معلم جرجودھن در تیر اندازی و مرشد تیر اندازی ارجن۔
۳ شاگرد ارجن در فن تیر اندازی ۴ پدر دروپدی۔

وہ آمادۂ جنگ ہو بھی تو کیا
اِدھر تن، دل اُس کا اُدھر ہے ملا

رعایت ہے دشمن کی منظور اُسے
اسی کا ہے جو کچھ ہے مقدور اسے

یہ بہتر ہے ہم خوش کریں اس کا دِل
کہ دشمن کو تا کر سکیں مضمحل

سلامی کے طور پر قبل جنگ سنکھوں کی آواز

سُنی جبکہ بھیشم نے یہ گفتگو
بڑھا غیظ ہیں سوئے فوج عدو

بجایا جو مہرہ کو لب سے ملا
قیامت ہوئی رزم گہ میں بپا

ادھر کرشن[1] نے اپنا مہرہ اُٹھا
بجایا بڑھے سوئے دشت دغا

ہوئی پنج جنّ کی صدا یوں بلند
مزاج دو عالم ہوا دردمند

یہ آواز تھی مہرۂ بھیم کی
جسے سُن کے گھبرا گئی زندگی

جدھشٹر نے مہرہ کو پھونکا بزور
گیا تا بچرخ بریں جس کا شور

نکل[2] نے بجایا سُگھوکھ جب
ہوئے شیر مردوں کے دل پر تعجب

جو سہدیو[3] کے لب سے من پھپ بجا
تو ہر اک طرف شورِ محشر اُٹھا

دروپد سکنڈی درشٹہ دمن
دگر ساتگی ابھمن صف شکن

---

۱ نام مہرہ کرشن ۲ نام مہرہ نکل ۳ نام مہرہ سہدیو۔

وہ پیراٹ اور شاہ کاشی تمام
بڑھے سوئے میدان پئے ننگ و نام

اُٹھا شور و غل اُن کے مہروں کا یوں
لرزنے لگا قلب گردونِ دوں

دلیرانِ جرجودھن خشمگیں
صف آرا ہوئے جبکہ در دشتِ کیں

تو ارجن بھی لے کر کمان و خدنگ
بڑھا سوئے دشتِ وغا بیدرنگ

نظر کی سوئے لشکرِ کیروان
کہا کشن سے پھر کہ اے رازداں

مجھے لے کے چلیئے میانِ دو فوج
ہے دریائے لشکر جہاں موج موج

وہ ہے کون دیکھوں نبرد آزما
جسے حوصلہ مجھ سے ہے جنگ کا

کسے مجھ سے ہے تابِ قتل و قتال
وہ ہے کون جو یائے مرگ و زوال

کرشن اس کے رتھ کو باعز و شان
لے آئے میان دو فوج گراں

کہا پھر یہ ارجن سے اے ہوشمند
کہوں جو سن اس کو بہ فکر بلند

درونا و بھیشم ہیں اے کج کلاہ
بدشت وغا رزم جو کینہ خواہ

یہ سُنکر کہا کشن سے اُس نے یوں
کہ اے واقفِ رازہائے دروں

مقابل ہیں جتنے یہ جویائے کار
ہیں سب میرے ہم قوم خویش و تبار

کروں خون سے اُن کے رنگیں زمیں
میں اس غم سے ہوں سخت اندوہ گیں

یہ محسوس کرتا ہوں میں اس گھڑی
سب اعضا ہیں بے حس مرے واقعی

دہن خشک ہے کانپتا ہے بدن
لرزتا ہے رہ رہ کے ہر موئے تن

ہر اک سانس سے اُٹھ رہا ہے دھواں
ہے گرنے کو ہاتھوں سے میرے کماں

سنبھلنا ہے اس وقت مشکل مرا ۔ نہیں میرے قابو میں ہے دل مرا
مجھے آہ لڑنے میں باہمدگر ۔ بھلائی کچھ آتی نہیں ہے نظر
نہ خواہش مجھے فتح و نصرت کی ہے ۔ نہ دل میں تمنا حکومت کی ہے
تھی جن کے لئے آرزو عیش کی ۔ ہیں آمادۂ جنگ وہ خود سبھی
اگر میں ہوا جنگ میں فتح یاب ۔ ملے ملک و دولت مجھے بے حساب
تو کیا فائدہ جب عزیزوں سے ہی ۔ نہ باقی رہے گا جہاں میں کوئی
جو مارے گئے مجھ سے یہ جملہ تن ۔ تو نفریں کریں گے مجھے مرد و زن
اگر اُن کے ہاتھوں میں کُشتہ ہوا ۔ تو میری گئی جان بے فائدہ
کریں کیا تمنائے تاج و سریر ۔ جہاں سے گزرنا ہے جب ناگزیر
یہ مانا جفا پیشہ ہیں کیرواں ۔ ہیں مشغول مکر و حیل ہر زماں
مآلِ ستم کا نہیں اُن کو ڈر ۔ بااخلاق بد ہیں بڑے فتنہ گر
بھری اُن کی طبیعت میں ہے دشمنی ۔ بہر طور بادشہ[۱] یہ ہیں کُشتنی
مگر کر کے اُن کی تبہ زندگی ۔ نہ میں بھی سکھی رہ سکوں گا کبھی

---

۱ خدیو ثروت

ارجن تباہی خاندان کے بُرے نتائج پیش کرتا ہے

حریص اور نادان نہیں جانتا
کہ انجام قتل عزیزاں ہے کیا

نگاہیں مری ہیں مگر سر بسر
تباہیٔ ملّت کے انجام پر

تہ ہوتا ہے جب کوئی خانداں
اصول اُس کے مٹ جاتے ہیں بیگماں

وہ کرتا ہے لادینیت اختیار
گناہوں کا اس کے نہیں کچھ شمار

بگڑتا ہے اس طرح خلق زناں
نجابت کا رہتا نہیں کچھ نشاں

بسر ہوتے ہیں جو بطور حرام
تو ہوتے ہیں وہ ورن[۱] سنکر تمام

جلیں گے ہمیشہ جہنّم میں وہ
رہیں گے سدا ورطۂ غم میں وہ

گم ہونے سے ترپن کے اے نامدار
پسر بھی نہ ہوں گے صداقت شعار

جب ہوتے ہیں ملّت میں پیدا عیوب
تو ہوتے ہیں برباد احکام خوب

بزرگوں سے ہم نے سُنی ہے یہ بات
نہیں ہوتی اقوام بد کی نجات

اعزہ کو اپنے کریں قتل ہم
کوئی اس سے بڑھ کر نہیں ہے ستم

---

۱ مختلف الاصل

یہ ارجن نے کہہ کر بہ میدانِ جنگ
دیے رکھ زمیں پر کمان و خدنگ

ادھیائے دوم لسانکھ جوگ نام

علم امتیاز جسم و جان

شکستہ دل ارجن پہ کر کے نگاہ
ہوئے حرف زن کشن عالم پناہ
کہا اس سے اے ارجن ہوشمند
ہے جھوٹی محبت میں کیوں پائے بند
کوئی صاحبِ عزم ہرگز کبھی
کرے گا گوارا نہ یہ بزدلی
ترے شان شایاں نہیں یہ خیال
کھڑا رزمگہ میں ہو بہرِ قتال
شجاعت ہے سرمایۂ زندگی
کراتی ہے یہ سیر فردوس کی
بڑھا سوئے میداں بجرأت قدم
تو کر مثل خورشید تیغ براں علم
ہوا ارجن اس طرح پاسخ گزار
کہ اے واقفِ دہر دانائے راز
یہ بھیشم پتامہ' درونا سترگ
ہیں نزدیک خورد و کلاں جو بزرگ
چلاؤں گا میں اُن پہ کس طرح تیر
کہیں گے مجھے کیا صغیر و کبیر؟
ہیں گو گبرواں تابع مال و زر
نتائج پر اُن کی نہیں ہے نظر
میں جنگ اُن سے لیکن نہیں چاہتا
خون آلودہ دولت کروں گا میں کیا

ہمیں فتح ہو یا وہ ہوں کامیاب
یہ ہیں دونوں ہی صورتیں ناصواب
دکھا دیجئے اب مجھے بَر ملا
بھلائی کا ہے راستہ کون سا
ملے گر مجھے دیوتاؤں کا راج
میسر دو عالم کے ہوں تخت و تاج
نہیں پھر بھی ممکن مجھے ہو سکون
کچھ اس طرح میں ہو چکا ہوں زبوں
رشی کیشؔ سے کر کے یہ گفتگو
ہوا دم بخود ارجن نیک خو

(روح لافانی ہے)

ہوئے کشن گویا تبسم کناں
کیا فاش اس طرح رازِ نہاں
نہیں قابلِ غم ہیں جو بدمآل
تو کیوں غم میں اُن کے ہے آشفتہ حال
مرے یا جیئے کوئی اے ارجمند
نہیں کرتے فکر اس کی کچھ حق پسند
ہے جو کچھ یہ پیش نظر ہست و بود
ہیں سب ہی گرفتارِ طوقِ وجود
ہیں اور تو تھے پہلے بھی اور اب بھی ہیں
یونہی رو جیں ہم سب کی گردش میں ہیں
ہے تقدیر جس طرح اس جسم کی
یہ بچپن، جوانی، کہن سالگی
اسی طرح تینوں زمانوں میں جاں
با جسام رہتی ہے جلوہ کناں
تغیر ہے جسمانیت کے لئے
ہے آزاد جاں دامِ تغیر سے

سے ۱ مالک انحواسس، اس لفظ کا تلفظ سنسکرت میں ہرشی کیش ہے میں نے عام تلفظ کو مدنظر رکھا ہے یہاں سری کشن بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ہے گرمی و سردی سے تن آشنا
مگر جان کو اُن سے نہیں واسطا

مقرر جو ساعت کہ ہے موت کی
بلاشُبہ اُس وقت وہ آئے گی

بہت بادشاہان کشور کُشا
ملے اس کے ہاتھوں بگرد فنا

زمانہ بیک وضع رہتا اگر
تو پاتا نہ فرزند جائے پدر

یہ تن کیا ہے اک جامۂ دلربا
ہوا کہنہ جس دم تو پھٹ جائیگا

جو پہنے ہوئے ہے یہ فرخ لباس
وہ ہے جاں کہ ہی لافنا بے قیاس

کسی کو کرے قتل تو کیا مجال
بڑھا آگے اُٹھا پاؤں اے خوشخصال

یہاں جو ہے اس بھید کا آشنا
دو عالم میں ہے اس کا رتبہ بڑا

ہیں ایک اس کے نزدیک شادی و غم
فزوں اس کے ہیں مرتبے دمبدم

بخوبی اس سے واقف ہیں اسرار بیں
کہ قیوم ہے ذات جان آفریں

سوا اس کے فانی ہے ہر اک وجود
مگر جان[۱] ہے تزئین بزم شہود

ہے اس طرح منشور جاں در بدن
کہ روشن ہو جوں شمع در پیرہن

وہ مطلق مقید نہیں ہے کہیں
منزہ ہے مثل جہاں آفریں

ہے معدوم عالم یہ موجود جان
وہ ہے پرتو ذات رب جہاں

عرض ہر گھڑی ہے تغیر پذیر
یہ جوہر ہے قائم بحکم قدیر

۱۔ نفس ناطقہ۔

نہ ادنیٰ نہ اعلیٰ نہ صاحب مکاں
نہ ظاہر نہ باطن بہر یک زماں

نہ طفل و جواں ہے نہ ہے پیر دہ
یہ ہے چشم عالم کی تنویر دہ

نہ آگ اس کو پھونکے نہ پانی بہائے
نہ ہو مست و بیخود نہ خواب اسکو آئے

ہے ادراک سے دور وہ بے نیاز
دو عالم کی ہے زندگی اس کا ناز

نظر آئے کیا جلوۂ بے نشاں
بہت دور ہے وہ ز حدِ گماں

مگر چشم دل سے جو دیکھے کوئی
تو آتی ہے اُس کی نظر روشنی

اگر ہے یہ بالفرض تیرا یقیں
کہ ہے جان مخلوق جاں آفریں

تو بیکار ہے پھر بھی رنج و عنا
ہے مخلوق کو پیش راہِ فنا

حقیقت ہے لافانی جب روح کی
نہیں کوئی مردہ ہیں زندہ سبھی

ہے قاتل بھی جاں اور مقتول بھی
سمجھ لینا ایسا ہے بے دانشی

عدم سے ہوئے ہم جو گرمِ خرام
چلے آئے ہستی ہیں اے نیکنام

بسیرا یہاں کر کے بس چند روز
وہیں ہوں گے پھر جا کے رونق فروز

نہ کر خوف مرگ و عذاب اس گھڑی
شجاعت ہی کا نام ہے زندگی

دلیرانہ آ سوئے میدان جنگ
بزن تیغ براں پئے نام و ننگ

کوئی روح کو جانتا ہے عجب
کوئی اس کے عرفاں سے ہی در تعب

کسی کی ہے کوشش کا حیرت مآل
کوئی کہہ رہا ہے فریب خیال

مگر سب یہ اے ارجنِ با صفا
حقیقت سے اس کی ہیں نا آشنا

ادا کر تو وہ فرض جس کے لئے — ہے معمور ہستی میں اے نیک پے
تو چھتری ہے پھر کیوں ہی یہ بزدلی — دلیروں سے ہم جنگ ہو اے جری
شہادت کہ ہے دولتِ سرمدی — کسی کو نہیں ملتی جز چھتری
یہی خوب ہے جلد ہو رزم جو — ہوتا دونوں عالم میں تو سرخرو
شہادت تو نعمت ہی فردوس کی — ہے فاتح کے سر پر کلاہ شہی
نہ منہ پھیر میدان سے اے شیر دل — بہ فکرِ غلط ہو نہ یوں مضمحل
بتائید مذہب ہے لڑنا ثواب — گریز اس سے کرنا ہے کارِ عذاب
بہ خوش قسمتی سے ہے موقعہ ملا — نہیں جنگ ہے بابِ جنّت کھلا
بتائید حق گر لڑے گا نہ تو — تو ہوگا گنہ گار اے نیک خو
کریں گے بُرائی تری مرد و زن — یہ مرنے سے بدتر ہے ایک تیک ظن
سمجھتے ہیں جو تجھکو مرد و غا — ذلیل ان کی نظروں میں ہو جائیگا
غم و رنج و نفع و ضرر کا خیال — غلط ہے ہو آمادہ بہرِ قتال

طریق شغل یعنی کرم یوگ

یہاں تک تھی سانکھیہ[۵۱] کی گفتگو
ہے کیا کرم[۵۲] یوگ اب یہ سُن مجھ سے تو

اس عالم کی کوشش نہیں ہوتی فوت
ثمر اس کا ملتا ہے پھر بعد موت

مسلسل یونہی ہیں یہ مرگ و حیات
نتیجہ ہے اُن کا بالآخر نجات

جو اس راہ مشکل پہ چلتا رہا
رہا قیدِ ہستی سے وہ ہو گیا

یہ لازم ہے دانش کو یکسو رکھیں
نہ پیدا ہوں تا مختلف خواہشیں

دل مضطرب یہ نہیں جانتا
کہ کرنا ہے کیا اور نہ کرنا ہے کیا

یہ اشغال خیرات[۵۳] و جاگ جان جاں
ہیں اچھے پہ تسکین دل ہیں کہاں

طمع کرتی ہے نظم عالم خراب
حریصوں کے سب کام ہیں ناصواب

---

۵۱ علم امتیاز جسم و جاں۔

۵۲ مراد اتصال اعمال کہ جس سے محبت الٰہی و صفائے قلبی حاصل ہوتی ہے۔

۵۳ دعوت و خیرات ہیں اگر کوئی خطا سرزد ہو یا اس کی تکمیل میں نقص رہ جائے تو جرم سمجھا جائے گا لیکن عمل بے غرض یعنی کرم یوگ میں ناتمامیت اور خلا کا امکان نہیں ہے۔

ستوگن[1] رجوگن[2] تموگن[3] سے ہی — بلاشبہ ترکیب ہے خلق کی
بمیدانِ دُنیائے خاکی نژاد — کوئی شے بھی پیدا نہیں بے تضاد
الگ ہو کے اُن سب سے بہرِ خدا — کر حاصل مقاماتِ عینِ بقا
ستوگن کے حامل ہیں اہلِ کمال — ہے حاصل انہیں دولتِ لازوال
کسی آرزو میں جو ہے پائے بند — رج و تم سے ہے وہ یہاں بہرہ مند
ہو حاصل[2] بافراط پانی جہاں — ضرورت نہیں چاہ کی کچھ وہاں
اسی طرح اہلِ حقیقت کو بھی — ضرورت نہیں رہتی کچھ وید کی
عمل پر ہے حاصل تجھے اقتدار — نتیجے کا بالکل نہیں اختیار
عمل کی جزا پر توجہ نہ کر — فقط رکھ تو مرضیِ حق پر نظر
بتائید حق کرتے ہیں جو عمل — وہ ہوتے ہیں دنیا و دیں میں سپھل
اگر جوگ لیگا تو اے باشعور — رہے گا علائق سے دنیا کے دور
اور ان یا وہ گو اہلِ دنیا سے بھی — نجات ایک دن تجھ کو مل جائے گی
ریا پیشہ جتنے ہیں یہ فتنہ گر — حقیقت سے ہیں جوگ کی بے خبر

[1] ستوگن صفتِ علمیہ، رجوگن صفتِ عملیہ تموگن صفتِ جاہلیہ اور ظلمیہ

[2] اس مثال سے مراد ہے کہ وید مثل منبع کم آب ہے اور ذاتِ بحت چشمۂ پُر آب۔ پس جس نے ذاتِ بحت کو پالیا اُس نے تمام مرکوزاتِ وید کو جان لیا۔

دیا کرتے ہیں دوسروں کو فریب
نہیں مطلقاً دیکھتے اپنے عیب

ہے جال اُن کے ہاتھوں میں تزویر کا
انہیں غم ہے دنیا کی تسخیر کا

فریبندہ ذہن و ادراک ہیں
یہ ناداں بہر طور چالاک ہیں

ہے دریائے عرفاں نہایت گراں
برنگ حباب اس میں ہے یہ جہاں

نہ رکھے گا جب نیک و بد سے تو کام
تجرد سے ہو جائے گا شاد کام

شب و روز رکھ جوگ سے واسطا
نظر تا کہ آ جائے نور خدا

جو رکھے گا تو قلب کو مستقیم
میسّر تجھے ہو گی عقل سلیم

کہا پھر یہ ارجن نے اے رازداں
مجھے یوگ کا دیجئے گا نشاں

جو اس منزل حق کا ہے منتہی
ہے تنظیم کیا اس کے اعمال کی

دیا کشن نے اس کو پھر یوں جواب
سُن ارجن جو ہے جوگ میں کامیاب

وہ ہوتا نہیں ہے اسیر ہوس
نہیں شہد پر گرتا مثل مگس

مصائب کا بھی کرتا ہے احترام
تحمل سے لیتا ہے ہر وقت کام

سگ نفس کو دیکے پیہم شکست
کیا کرتا ہے آرزوؤں کو پست

اسے لذّت دنیوی کا خیال
نہیں کرتا یک لمحہ بھی پائمال

مقام اس کا ہے صحبت اہل دل
وہ ہوتا نہیں جہل سے متصل

وہ ہے پاس انفاس کا رازدار
نہیں بھولتا یاد حق زینہار

شب و روز رحم و کرم آشنا
رہا کرتا ہے بہر ذاتِ خدا

نظر اس کی ظاہر پہ رہتی نہیں
بباطن ہے ذاتِ احد سے قریں

نہیں اُس پہ پاتے ہیں قابو حواس
ہے شغل اس کا ہر لمحہ شکر و سپاس

بہر یک نفس اس کا پیغام ہوش
ہے منزل بہ منزل حقیقت فروش

ازل سے ہے یہ حصۂ قلب و جان
زیاں میں مذاق ریاضت کہاں

ہوس کار ہے دشمنِ آگہی
ہے حرص و ہوا سے تبہ زندگی

جسے نفس پر اپنے قدرت نہیں
دو عالم میں اس کی کچھ عزت نہیں

دلِ مطمئن سے ہے خوش کام جو
غنی ہے توکل کی دولت سے وہ

وہ کشتی وجودِ اہلِ غفلت کا ہے
جو کچھ دیر حملے بھنور کے سہے

بالآخر وہ ہو غرقِ آبِ رواں
نہ باقی رہے پھر کچھ اس کا نشاں

مگر قلبِ آگاہ ہر صبح و شام
رہا کرتا ہے خود بخود شاد کام

یہ بیداریٔ مردمانِ جہاں
حقیقت میں ہے ایک خوابِ گراں

پڑے ہیں یہ بخود بدریائے شور
ہیں اعضا میں ان کے نہ قوت نہ زور

بہے جا رہے ہیں بہ نفس نژند
یہ جزر و مد موج ہیں پائے بند

جو ہے دہر میں تارکِ آرزو
وہی میرے نزدیک ہے سرخرو

جو اک سانس گذرے بیادِ خدا
دو عالم سے ہے اس کی قیمت سوا

برنگ کثیف ہاتھ اور پاؤں کو
جو کھینچے بہ خود ہے وہ مرد نکو

وہ ہے خواہش نفس پر مقتدر — نہیں اس کا قلب جواں منتشر
یہاں ہے جو ہر دم بحق مشتغل — ہے تزویر باطل سے پاک اس کا دل
تمنا ہے بیگانۂ ہر کمال — یہ کرتی ہے انساں کو غرق زوال
تمنا ہے سینہ کا زخم دروں — رسا کرتا ہے اس سے ہر لمحہ خوں
ہیں آفات دانش یہ حرص و ہوا — بالفاظ دیگر ہیں دل کی فنا
جو ہیں صاحب دل وہ غافل نہیں — یہ نفس زبوں اُن کی منزل نہیں
دل غافل اس ناؤ کی طرح ہے — جو نذر ہوائے مخالف رہے
ہے دریائے زخار عارف کا دل — ندی نالے جس میں گریں منفصل
تو حرص و ہوا میں نہ ہو پائے بند — یہ روز جزا تا کہ ہو ارجمند

ادھیائے سوم یہ کرم یوگ نام

اتصال افعالی

کیا ارجن نیک دل نے سوال — اگر معرفت ہے عروج کمال
تو تلقین کرتے ہو کیوں جنگ کی — دو اس بھید سے مجھ کو تم آگہی
عمل اور عرفان کی نیرنگیاں — سمجھ میں نہیں آئیں اے مہرباں

کہا کرشن نے اے عقیدت نشاں
طریق[1] عمل اور ہے آگہی[2]

عمل[3] سے ہے عرفانیت کو فروغ
عمل اور عرفاں ہی کا اتحاد

جہاں میں ہیں کور اور بینا بھی ہیں
ہیں سب اہلِ دنیا غرض آشنا

جو عالم ہیں ہیں صاحب آگہی
بہر یک نفس ہیں عبادت گزار

عمل ہائے نیکو تو کر اختیار
نتیجہ ہے اعمال بد کا بُرا

عمل آفرینندۂ ہر کمال
عمل اس گھڑی تک ہے لازم ضرور

عمل کر عمل کر ابھی تو ہے خام

طریقے ریاضت کے ہیں دو یہاں
ہے ان دونوں میں نسبت سرمدی

نہ ہو آگہی تو عمل ہے دروغ
حقیقت میں ہے ایک زاد المعاد

ہیں عارف بھی اور اہل دنیا بھی ہیں
شب و روز پابندِ مکر و ریا

وہ ہیں رازداران سرِّ خفی
محیط ان پہ ہے خلق پروردگار

کہ تا ہر دو عالم میں ہو رستگار
نکوکار فردوس میں جائے گا

عروج عمل کو نہیں ہے زوال
نہ ہو خامئ نفس جب تک کہ دور

ریاضت کا قائم رہے تا نظام

۱؎ لیاقت صنعت عملی ۔ ۲؎ لیاقت علم نظری

۳؎ حصول تعقل بغیر تفعل محال ہے یعنی جب تک کہ تفعل اعمال بے غرضی سے صفائی دل نہ ہو اس وقت تک عقل ممیزہ پیدا نہیں ہوتی ۔

جب ہو جائے تزکیۂ نفس دوں	اور ہو دل کو حاصل مقام سکوں
ہے مستحسن اس وقت ترک عمل[1]	نہیں ہوتا پھر نظم جاں میں خلل
عمل پہلے بعد اس کے ہے ترک کار	جو سمجھے اسے ہے وہی کامگار
بڑا ہر جو کرتا ہے ضبطِ حواس[2]	ہے پابند مکر و ریا بے قیاس
صفائی باطن پہ رکھ تو نظر	یہ تزکیۂ قلب ہو بہرہ ور
جو ہے وقف اعمال بہرِ قدیر	بمنزل گہہ قدس ہے جائے گیر
پئے نفس ہے جو کہ مشغولِ کار	دل اس کا ہے بیگانۂ کردگار
نہیں زندگی میں یہ ممکن کبھی	کہ بر آئے ہر آرزوئے دلی
عمل کر برائے خدا صبح و شام	خیالِ جزائے عمل ہے حرام
برہما[3] کہ ہے خالق ہست و بود	بہر طور ہے ذمہ دارِ وجود
وہ قانون جگ[4] کا ہے پروردگار	بنائے ہیں اُس نے سب آئین کار

---

[1] سنیاس جوگ۔ [2] جو شخص آلات ظاہری یعنی دست و پا و زبان وغیرہ کو ضبط کر کے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مشغول حق ہے ایسے شخص کو مزور اور اہل مکر کہتے ہیں بخلاف اس کے جو شخص اعضائے ظاہری کو ضبط نہیں کرتا اور دل سے متوجہ الی الحق رہتا ہے وہ شریف تر ہے۔ [3] ذات بحت۔ [4] دعوت مراد پرستش ملائکہ و اعمال ضروری ہر روزہ موافق آداب ہر قوم

بنائے عمل کا ہے جگ سے قیام ہے قائم عمل سے جہاں کا نظام
پئے دیوتا یوں ہے جگ لازمی تم اُن سے ہو راضی وہ تم سے خوشی
مدد اُن سے پاتے ہیں اعمال سب خوشی اُن کا کرتا ہے تائید رب
ازل سے ہیں وہ حصہ گیر طعام بغیر اُن کے کھانا ہے مطلق حرام
پئے نفس خود ہے جو گرم خورش رہے گا دو عالم میں وقف خلش
یہ غلہ کہ جینے کا ہے آسرا ہے باران ہی سے اس کی نشو و نما
بنا تیر جگ ابر لاتا ہے آب تو کھیت اس سے ہو جاتے ہیں فیضیاب
کلام الٰہی ہیں وید اور پُران ہے عامل جو ان پر یہاں بیگماں
وہ کرتا ہے جگ بہر ایزد تعال یقین پر نہیں اس کے گرد ملال
با اہل تعلق ہے جگ لازمی تغافل اور اس سے، ہے بے دانشی
وہ مردہ ہے زندہ نہیں بے قیاس نہیں جس کو یارائے ضبط حواس
رہا کرتا ہے تشنۂ ساز و برگ نہ ہو زندگی اس کی کیوں مثل مرگ
رچا جس کے دل میں ہے عشق خدا دو عالم سے اس کو نہیں واسطا
جہاں بھی ہے ہر طرح ہے کامیاب ہے سرمست ہر جلوۂ بے حجاب
جنک اور انھیں جیسے راجہ کئی با اعمال نیکو بہ شاہنشہی
رہے خادم خلق بے آرزو گئے باغ جنت میں ہو سرخرو
ہے خلقت کی خدمت رضائے خدا رضا اس کی ہے عشق کا مدعا

طریق بزرگاں تو کر اختیار — فزوں تا کہ ہو جائے تیرا وقار
سر راہِ منزل ہر اک کارواں — پئے راہبر چلتا ہے بیگماں
اگر چھوڑے رہبر رہِ مستقیم — تو گم قافلہ ہو ز راہِ سلیم
مجھے غور سے دیکھ اے نیک خو — مرا دل ہے ہے لے گا نہ آرزو
ہر عالم کی حد سے جُدا ہو گیا — ہیں مل کر خدا سے جُدا ہو گیا
ہے ہر کام میرا خدا کے لئے — ہیں جیتا ہوں اس کی رضا کے لئے
اسی کو ہے قدرت ہر اک بات کی — اسی کی طرف سے ہے نیکی بدی
مشیت سے اس کی جو غافل رہا — اور اپنے کو فاعل سمجھتا رہا
ہے وقت جہالت وہ برگشتہ حال — تاسف کے قابل ہے اس کا خیال
بدی کی طرف دل کے رُخ کو نہ موڑ — بھلائی کا دامن نہ ہاتھوں سے چھوڑ
تکبر سے بڑھ کر نہیں ہے بدی — بڑا مرتبہ ہے سرافگندگی
ہے آگاہ اس سے دل حق طراز — کہ مختار ہر کام ہے کارساز
ہے برکت سے کل جہاں کا نظام — کہ قدرت اسی کا صفاتی[۱] ہے نام
اسی سے ہوئے تینوں کُن[۲] آشکار — انہیں پر ہے موقوف بنیادِ کار
فنا سب کو ہستی میں ہے بالیقیں — بجز ہستئ دو جہاں آفریں

۱؎ صفت علمیہ صفت عملیہ اور صفت جاہلیہ۔

عمل پر تجھے کچھ نہیں دستبرد — تو سب کام اپنے مجھے کر سپرد
نہیں تجھ پہ جب ذمہ داری کوئی — تو غفلت عمل سے ہے بے دانشی
عمل کر عمل میرے کہنے پہ تو — کہ حسن عمل سے ہو تا سرخرو
جو رکھتے نہیں دل میں یہ اعتقاد — نہیں ہیں وہ ہستی میں اہل سداد
جو ہے زندگی میں مطیع ہوس — رہے گا گرفتار غم ہر نفس
عمل ہے ہر اک کے لئے لازمی — ہو جاہل کہ یا صاحب آگہی
ہے تقلید خواہش بری بے گماں — نہ دے اس کے ہاتھوں میں دل کی عناں
کسی سے نہ کر دشمنی دوستی — وگرنہ رہے گا بقید غمی
ہے دیں کے لئے جان دینا ثواب — خلاف اس کے ہے ہر عمل ناصواب
جو مذہب کی خاطر جیئے یا مرے — خدا کی ہے رحمت اسی کے لئے
کہا پھر یہ ارجن نے اے نیک ذات — یہی چاہتا ہے ہر اک ذی حیات
کہ وہ کار نیکو کرے ہر گھڑی — نہ سرزد ہو اس سے ذرا بھی بدی
مگر کر کے وہ کار بد اختیار — بالآخر ہوا کرتا ہے شرمسار
یہ کس کا تصرف ہے اے دیں پناہ — کہ انسان ہے مجبور کار گناہ
کہا سن رہیں اصل گنہ حرص و آز — یہ کرتے ہیں ہر سو در فتنہ باز
ہے جوش غضب[۱] دشمن آدمی — یہی ہے یہی باعث گمرہی

۱؎ غضب نتیجہ شہوت ہے اور صفت عملیہ یعنی رجوگن سے پیدا ہوتا ہے اس کا علاج صفت علمیہ یعنی ستوگن ہے۔

دھوئیں میں ہو جس طرح آتش نہاں
اور آئینہ در زنگ اے مہرباں

مشیمہ[1] کے اندر ہو جیسے پسر
ہے یوں معرفت جہل میں مستتر

تمنّا جسے کہتے ہیں اہلِ دل
حقیقت میں ہے زحمتِ مستقل

ہوا و ہوس کی حدوں سے گزر
محبّت نہ کر اُن سے اے باخبر

ہے قتل اُن کا واجب بحکمِ شعور
تو ہو تا کہ مقبولِ ربِّ غفور

ہیں اجسام سے اس طرف سب حواس
اور اُن سے پرے دل ہے اے حق شناس

اُدھر دل سے عقل، عقل سے آگے جاں
ہے جاں سے پرے خالقِ کل جہاں

تو پہچان کر اس کو اے ہوشمند
کر اس نفس چالاک کو پائے بند

ہوا و ہوس پر رہوں یوں مقتدر
کہ تجھ تک نہ ہو کم ہی کا گزر

ادھیائے چہارم کرم سنیاس جوگ نام

ترکِ فعالی کہ جو اختیارِ عمل سے میسّر آتا ہے

سُن ارجن کہ تو نیک فرجام ہے
میرا کرم یوگ ایک پیغام ہے

---

[1] رِہ جھلّی جس میں بچہ ہوتا ہے اکثر اسی جھلّی میں بچہ لپٹا ہوا پیدا ہوتا ہے۔

پڑھایا تھا سورج کو پہلے یہ باب
پھر اشواک[۱] اس سے ہوا بہرہ یاب

اسی سے رواج اس کا پھیلا تمام
لیا راج رشیوں[۲] نے پھر اس سے کام

وہ پھر بعد یک عرصہ گم ہو گیا
نہ اس سے رہا کوئی واقف ذرا

ہیں اس راز کو آج تیرے لئے
کئے دیتا ہوں فاش اے نیک پے

یہ سُنکر کہا کشن سے اُس نے یوں
کہ اے راز دارِ درون و بروں

تم ہو آج رونق فروز جہاں
تو پھر کیسے پہلے پہل مہرباں

دیا تم نے سورج کو درس عمل
بتایا اُسے نکتۂ بر محل

ہیں حیراں ہوں یہ بھید بتلائیے
بہ لطف و کرم مجھکو سمجھائیے

کہا تو ہے ناپختہ اے جانِ من
ہے بیگانہ از حدِ عرفانِ من

یہ ہے آمد و رفت میری تری
فقط جانِ مطلق کی جلوہ گری

نہ مرتے ہیں غافل نہ پیدا ہیں ہم
بقدرت نمائی ہویدا ہیں ہم

مری اور تیری نمائندگی
بہ تغییر اجسام ہے واقعی

نگاہوں میں ہے میری ہر اک ظہور
ہے یکساں مجھے فصل نزدیک دور

ہے آزاد تغییر جلوہ مرا
مگر ہوں بقدرت میں صورت نما

جب ہوتا ہے باطل کا غلبہ یہاں
اور حق ہو کے رہ جاتا ہے نیم جاں

۱؎ پسر آفتاب اشواک بڑا راجہ گزرا ہے۔ ۲؎ صاحبانِ دل۔

ستم اہلِ دیں پر ہوا کرتے ہیں
جہاں والے باطل کا دم بھرتے ہیں

بجُسنِ دگر بہرِ تنظیمِ دیں
ہویدا میں ہوتا ہوں کر تو یقیں

حفاظت کو صاحب دلوں کی ضرورُ
میں آتا ہوں بر وقت اے باشعور

سزا دے کے اہلِ ستم کو یہاں
بناتا ہوں دُنیا کو دارالاماں

مٹا کر خودی مجھ سے جو مل گیا
وہ اس آنے جانے سے فارغ ہوا

بہر لحظہ میں تو کرم پیشہ ہوں
بخلقِ خُدا نیک اندیشہ ہوں

کسی راہ پر ہو کوئی گام زن
میں ہوں اس پہ ہر لمحہ پرتو فگن

اگرچہ ہیں ہستی میں راہیں کئی
مگر سب کا رُخ ہے مری سمت ہی

یہ ہیں چار برن[۱] اور چار آشرم
مرے حسنِ تدبیر سے منتظم

ہے گن پر ہی بنیاد اعمال کی
عمل سے ہے برنوں کی صورت بنی

میں ہر برن میں ہوں نشان جُدا
حقیقت کو ہر اک کی ہوں جانتا

اگرچہ صدورِ عمل کا ہوں راز
ہوں ہر اک عمل سے مگر بے نیاز

نہیں مجھ پہ مطلق عمل کا اثر
جزا پر نہیں کیونکہ میری نظر

---

[۱] صفت علمیہ سے برہمن اور اس کے اعمال صفت علمیہ اور عملیہ کے امتزاج سے چھتری اور اس کے اعمال صفت عملیہ اور جاہلیہ کے امتزاج سے بیس اور اس کے اعمال اسی طرح صفت جاہلیہ سے شودر اور اس کے اعمال۔

جسے اس حقیقت سے ہے آگہی — وہ قید ہوس سے ہے بالکل بری
جو رکھتے تھے ہستی میں شوق نجات — رہے ہیں وہ وقف عمل تا حیات
نجات مکمّل کا طالب ہے گر — تو رکھ تو بھی شغل عمل پر نظر
نہیں اس سے ہر شخص کو آگہی — ہے کیا کردنی کیا ہے ناکردنی
اکرم ہی تو ہے کرم کا آئینا — ہیں کرم اور اکرم ہر دو راہیں جُدا
جو ہے آشنائے حقیقت مگر — ہے ان دونوں پر اُن کی پیہم نظر
یہ منزل بہت سخت ہے بے گماں — یہاں سعیٔ کامل بھی ہے رائگاں
عمل اور ترکِ عمل کا شعور — ہے دشوار تر زندگی میں ضرور
مگر کر کے ہر بھید کو بے حجاب — دکھاتا ہوں میں تجھ کو بالاستیعاب
تو ہو تا کہ ہر گمرہی سے بری — ملیں نعمتیں تجھ کو فردوس کی
ہے گہرا عمل کی حقیقت کا راز — ہے عاجز یہاں قوّت امتیاز
عمل ہی کے دامن میں ترکِ عمل — جو دیکھے وہ ہے عارف مستقل
اسے ترک واجب سے ہوتا ہے رنج — بہر گام رہتا ہے وہ نکتہ سنج
ہے ناکردنی سے اسے احتراز — بہر لمحہ رہتا ہے وہ پاکباز
جزائے عمل کی طلب ہے بُری — کر اس ذوق باطل سے دل کو تہی
تو میری طرح کر عمل اختیار — کہ ہو تا کہ کونین میں رستگار
سرِ دامنِ آرزو چھوڑ دے — ہر اک بند حرص و ہوا توڑ دے

جسے سوزِ عرفاں کی لذت ملی
وہ تکلیفِ کردار سے ہے بری

ہے کونین میں اس کا رتبہ بلند
وصالِ خدا سے ہے وہ بہرہ مند

بوقتِ عمل دل میں یادِ خدا
اگر ہے تو یہ ہے نشانِ وفا

جسے محوِ عشقِ یزداں میں ہے
بہر لمحہ وہ ظلِّ سبحاں میں ہے

عمل جس کے بہرہ نہیں اُسکی یاد
بہر طور ہے وہ نمودِ فساد

جو ہے نفس کی لذتوں سے نفور
رہے گا ہمیشہ بدار السرور

وہ کرتا ہے جگ[1] دیوتا کے لئے
کہ جس کو تمنا سعادت کی ہے

بہت صاحبِ دل ہیں آتش میں جو
جلاتے ہیں اشیاء بطرزِ نکو

کچھ ایسے ہیں جو دھوپ میں بیٹھکر
ریاضت کیا کرتے ہیں بے خطر

بہت مقصدِ دل کی خاطر یہاں
یہ جگ جوگ رہتے ہیں خوش ہر زماں

کچھ ایک ہی غذا پر جیا کرتے ہیں
زبوں نفس کو یوں کیا کرتے ہیں

ہیں ایسے بھی رہتے ہیں جو روزہ دار
کہ تا اُن سے راضی ہو پروردگار

نہیں جس کے کردار میں یہ صفات
تاسف کے قابل ہے اسکی حیات

ان اشغال سے جو کہ غافل رہا
تبہ اپنی ہستی کو اُس نے کیا

ہے عرفانِ حق[2] جوگ پر منحصر
کہ جوگی[3] ہے دانندۂ رازِ گر

---

[1] دعوتِ خیرات برائے ملائکہ یہاں سے مسلسل اقسامِ دعوت بیان کئے گئے ہیں

[2] اس لئے کہ دعوتِ مالی سے دعوتِ عرفانی افضل ہے۔ [3] جوگی یعنی متوصل بحق۔

ہر اک کام صبر و تحمل سے کر
خدا پر توکل ہے لازم مگر

قناعت میں ہے زندگی کا مزا
بلذاتِ شہوت نہو آشنا

خیالِ بدی ہر طرح ہے بُرا
حسد سے جہاں تک ہو دامن بچا

ہیں موجود ہر شے میں اسکے صفات
حقیقی ہے فاعل خدا ہی کی ذات

منزّہ ہے وہ ذاتِ ربّ غفور
جہاں ہو کہ جاں سب ہیں اسکے ظہور

من و آتش و ہوم و اشیاء تمام
برھم؎۱ ہے برھم اے سعادت مقام

برھم جس کی دانش پہ غالب ہوا
وہ ہر لحظہ ہے برھم کو دیکھتا

کیا جگ سے ہے جسنے ضبط حواس
وہ محظوظ عرفاں ہو اپنے قیاس

کرے گا اگر جوگ تو اختیار
دو عالم میں ہو جائے گا کامگار

ہے عرفانِ حق دولت سرمدی
تو کر اس کو حاصل بذوق دلی

بہر یک نفس سوزِ دل کو بڑھا
کہ ہو بہرہ ور تا بہ لطف خدا

تو عرفان یزداں سے دل شاد ہو
غم و رنج ہستی سے آزاد ہو

نہ غفلت سے کر اپنے اوپر ستم
ہے غافل گرفتار رنج و الم

بھڑکتی ہے آگ عشق کی جس گھڑی
جلا دیتی ہے خواہشیں نفس کی

ہے عارف یقیناً خدیو جہاں
ہے قبضے میں اس کے زمین و زماں

۱؎ برھم یعنی حق۔

نہیں عارفِ حق خدا بالیقیں
مگر وہ جُدا سے جُدا بھی نہیں

نہیں ہوتا جاہل کبھی کامیاب
نتیجہ جہالت کا ہے اک عذاب

یقیں بخشتا ہے بشر کو کمال
اور ایسا کہ جس کو نہیں ہے زوال

جسے جوگ کا علم حاصل ہوا
وہ عرفانِ یزداں میں کامل ہوا

تو کر اپنے دشمن پہ شمشیر تیز
نہیں مقصدِ حق سے لازم گریز

ہے جن پانچ ہواؤں پہ تنظیمِ بدن
ہیں نام و مقام اُن کے یہ جانِ من

سماں[1] ناف میں اور دل میں پراں[2]
اوداں[3] ہے گلے میں یہ مقعد اپاں[4]

ہر اک حصّۂ جسم میں ہے بیاں[5]
رہا کرتی ہے جو رواں ہر زماں

اپاں دم کو لے جاتی ہے اندروں
پراں اس کو لے آتی ہے پھر بروں

نہیں واقف اس نظمِ دم سے کوئی
مگر حبس[2] دم کا ہے جو منتہی

وہ کرتا ہے ذکرِ نفس ہر گھڑی
کہ منزل ہے خود پاسِ انفاس کی

---

[1] اوّل سماں کہ جس کا مقام ناف ہے۔ دوم پراں جس کا مقام دل ہے اور یہ دہ بینی و دہن سے باہر آتی ہے۔ سوم اوداں جس کا مقام گلو ہے اور یہ علو خارج ہوتی ہے۔ چہارم اپاں جو راہ مقعد سے صادر ہوتی ہے۔ پنجم بیاں جو تمام جسم میں ساری ہے

[2] جو نفس دہن اور بینی سے باہر آتا ہے اور جو ہوا راہ مقعد سے نزول کرتی ہے ان دونوں کو شکم میں حبس کر کے سانس لیتے وقت باد مقعد کو نفس میں نفی کرتے ہیں یہ حبس دم ہے۔

ہے ہر جگ سے اس جگ کا رتبہ بڑا ہے اس سے ہر اک رگ میں یادِ خدا
ہر اک جگ سے بہتر ہے عرفانِ حق کہ عارف سے ہے ہمرنگ ربّ الفلق
جو ہیں اس حقیقت سے غافل یہاں نہیں اُن کے حصّے میں باغِ جناں
جو تو عقل و دانش ہے بہرہ ور نصیحت پہ رکھ عالموں کی نظر
تو کر دل کو بیگانۂ آرزو کہ تا دونوں عالم میں ہو سرخرو
فرشتوں سے برتر ہے وہ آدمی جسے معرفت حق کی حاصل ہوئی
ہے یزداں شناسی ہی کا مستقر وہ عالم - دو عالم سے ہے جو اُدھر
ہے عرفانیت کی وہ آتش فزود جلاتی ہے نیکی بدی کی حدود
مقدس ہے عرفانیت کا مقام ہے عارف کے حق میں وہ دارالسلام
ارادت سے ملتی ہے ہر اک مراد ہے لازم مگر جذبۂ اعتقاد
خیالات بیہودہ دل سے نکال کہ روشن ہو تا اس میں شمعِ جمال
بعرفانِ حق جوگ کر اختیار سنبھل کر کھڑا ہو پئے کارزار

---

۵۱ دعوات مختلف ۔ ۵۲ اتصال افعالی

ادھیائے پنجم پرکرت جوگ نام

(ترک اعمال کے بعد تصفیہ دل حاصل ہوتا ہے)

پھر ارجن نے پوچھا کہ ترک عمل
کہا آپ نے تھا کہ ہے بے خلل

اور اب کہہ رہے ہو عمل خوب ہے
بتاؤ کہ کون ان میں مرغوب ہے

کہا دونوں ہیں ٹھیک ای باشعور
مگر ہے عمل کو فضیلت ضرور

ہے ترک عمل اس کو لازم مگر
حدوں سے جو سکھ دکھ کی ہو دور تر

نہیں اس کے دل میں خیال دوئی
ہے آزاد ہر خصمی و دوستی

سمجھتے ہیں ایسا جو ناداں ہیں لوگ
ہے ترک عمل سے جدا کرم یوگ

مگر ہیں حقیقت سے جو آشنا
نہیں فرق کرتے وہ ان میں ذرا

اتصال افعالی مرتبۂ اول ہے بتدریج تا بہ عرفان الٰہی و بہ ترک کلی رسائی ہوتی ہے، اس لئے بے تصفیۂ دل ترک کلی اختیار کرنے سے اختیار تفعل بہتر ہے اتصال اعمالی و اتصال عرفانی کو جدا نہیں سمجھنا چاہیئے جو ان دونوں میں سے کسی ایک پر استقامت اختیار کر لیتا ہے وہ دونوں کے نتیجے سے فیضیاب ہوتا ہے۔

بغیر عمل ہے یہ دشوار تر — ہو ترک عمل سے کوئی بہرہ ور

بعزمِ عمل جو بھی ہے گرم کار — ہے حاصل اسے وصل پروردگار

کمالات جوگی ہوئے جب تمام — ہوا جوگ و سنیاس کا اک مقام

جو دونوں کی وحدت کا ہی رازداں — دل اُس کا ہے آزاد فکر جہاں

عمل خود ہے بنیادِ ترکِ عمل — نجات حقیقی ہے یہ بے خلل

جو ہے محوِ یزداں بہر در صفات — اسے جانئے مستحق نجات

اُسے مست رکھتا ہے عشق خدا — وہ ہر جا ہے مستغنیٔ ماسوا

وہ خواہاں جزائے عمل کا نہیں — جو ہے محو ذاتِ احد بالیقیں

ہو سُننا کہ یا دیکھنا یا مساس — ہو چلنا کہ چکھنا بکارِ حواس

وہ ہو سونگھنا یا قیاس از دماغ — ہے جان اُن کے پردے میں مثل چراغ

تصرف میں ہوں روح کے جب یہ سب — تو سمجھو کہ جوگی ہے[1] مقبول رب

ہیں سب اہل عرفاں فراغت نصیب — کہ ہے مقصد ان کا وصال حبیب

گرفتار ہستی نہیں اُن کا دل — بہر یک نفس حق سے ہیں منفصل

عمل اُن کا ہوتا ہے بہرِ خدا — کہ انسانیت کا ہے یہ مقتضا

گرفتار خواہش ہے وقت بلا — گدا ہے کبھی اور کبھی بادشا

---

[1] متوصل بحق۔

جسے خواہشوں پر ہے غلبہ نصیب
وہ غم سے ہے دور عنصرنوں سی قریب

گناہوں سے رہتا ہے وہ یوں بری
کہ جوں آب سے برگ نیلوفری

منزہ عمل اُس کا ہے از حواس
وہ ہے منزل خوف میں بے ہراس

تن آدمی ہے جہان صغیر
اُسی کا ہے نقشہ جہان کبیر

ہیں نو اُس کے دروازے اے اہل ہوش
دو سوراخ بینی دو چشم و دو گوش

دہان اور مقامات بول و براز
ہے جان اُن میں اک پرتو کارساز

ہیں سہ قسم مردوں کی اندر جہاں
ہے اک وہ جو ہے درپئے دشمناں

دوم وہ کہ اظہارِ جرأت ذرا
نہیں اس سے ممکن بوقت وغا

سوم رکھتا ہے خواہش اجر کار
گرفتار ذلّت ہے لیل و نہار

بلاشبہ مردود دانش کہو
اُسے جو کہ فاعل کہے آپ کو

جو سمجھے کہ سب کچھ خدا کرتا ہے
خطا کر کے غفلت کا دم بھرتا ہے

وہ جوہر کو آئینۂ قلب کے
زنگ آلودہ کر کے بہر رنگ سے

اُسے سنگ غفلت سے دیتا ہے توڑ
لیا کرتا ہے عقل سے مُنہ کو موڑ

دل اہل عرفاں ہے آئینہ ساں
ہے نورِ خدا اُس میں جلوہ فشاں

ہے ایک اُن کی نظروں میں مور اور فیل
نہیں کرتے فرق عزیز و ذلیل

نہیں رکھتے تمیز شاہ و گدا
ہیں سب پر مراعات اُن کے سدا

نہیں کرتے اپنے لئے کچھ طلب
ہے مطلوب اُن کا فقط ذات رب

ہے دل اُن کا لذت[1] سے ناآشنا — وہ پاتے ہیں لذت بیادِ خدا
نہیں اُن کو شکر و شکایت سے کام — وہ رہتے ہیں ہر حال میں خوش مدام
وہ ہیں نفس کی لذتوں سے نفور — بہر رنگ ہیں کامیاب سُرور
نتیجہ ہے غم ہر خوشی کا یہاں — اک حلقہ ہے ماتم کا دورِ زماں
مگر خشم اور حرص سے ہے جو دور — وہ ہے درحقیقت سراپا سرور
وہ دل ہی میں کرتا ہے سیرِ جہان — چھپے اس کے اندر ہیں کون و مکان
پراگندہ خاطر کب ہوتا ہے یوں — کہ وہ عقل و دانش کو کر دے زبوں
وہ ہے حاکمِ مہر و ماہ و فلک — مطیع اس کے ہوتے ہیں جن و ملک
عبادت گزیں ہیں جو اور گوشہ گیر — نہیں دامِ ہستی میں ہوتے اسیر
وہ ہیں محوِ یادِ خدا ہر زماں — نہیں اُن کو پروائے باغِ جہاں
جو حرص و ہوا میں گرفتار ہیں — وہ ہستی میں پابندِ آزار ہیں
جو آزادِ شادی و غم ہے یہاں — ہیں اسرارِ فطرت سب اس پر عیاں
جو مرنے سے پہلے یہاں مر گیا — اُسے مل گیا عین رازِ بقا
خیالاتِ باطل سے ہے وہ نفور — ہیں سب خواہشیں نفس کی اس سے دور
میانِ دو ابرو نظر ڈال کر — کیا کرتا ہے حبسِ دم سے بسر

---

[1] لذاتِ حواس

برابر پرآن و اپان کو بہ ہوش — وہ ہے کھینچتا از طریق خموش
دل و عقل و احساس پر ہر گھڑی — وہ رہتا ہے غالب بحکم قوی
اسے کہیئے دانائے یزداں شناس — ہے قابو میں جس کے نظام حواس
یہ خوف و رجا اور حرص و ہوا — رہا کرتے ہیں اس کے دل سے جدا
جو کرتا ہے بہر خدا جگ یہاں — پس از مرگ پاتا ہے باغ جناں
میں سنتا ہوں عارف کی اک نیک لے — وہ جس نام سے بھی پکارے مجھے

ادھیائے ششم اوتم سنجم جوگ نام

ضبط دل اور اتصال تصوری

باوجود تصفیۂ دل و ترک کلی نجات ممکن نہیں جب تک کہ تصور ذات حق نہ ہو اس لئے باب ششم میں اتصال تصوری کو بیان کیا گیا ہے ۔

نہیں چاہتا جو جزائے عمل — ہے صرف اس کی ہمت برائے عمل
نظر اس کی سود و زیاں پر نہیں — وہ ہے عارف زندگی بالیقیں

حدیں ملتی ہیں جوگ و سنیاس کی — یہ ہیں منزلیں پاس انفاس کی
تفاوت کا اُن میں نہیں ہے گزر — یہ راز اہل غفلت سے ہے مستتر
اگر مہرِ دنیا نہ دل سے گئی — ریاضِ دلی ہے پھر اک دل لگی
کہاں بے عمل اور کہاں اوجِ جوگ — بہر لحظہ ہے وہ گرفتار سوگ
یہاں جو ہے پابندِ ذوق حواس — ہے مردود ہر دو جہاں بے قیاس
مگر جوگ میں جو کہ کامل ہوا — خدا کا اُسے وصل حاصل ہوا
دل اس کا جب اس دلربا سے ملا — ہوا بند اُس پہ درِ ما سوا
یہ دل دوست بھی اور دشمن بھی ہے — یہی راہبر اور رہزن بھی ہے
اگر دل پہ حاصل ہے قابو تجھے — تو حاصل ہے اک خضرِ کامل تجھے
جو وہ تیرے پنجہ سے آزاد ہے — تو ہے صید وہ مثل صیاد ہے
ہے ہر اہل دل فارغ کیف وکم — نہ خورسند شادی نہ مجروحِ غم
وجود اس کا ہے گنج علم و کمال — سمجھتا ہے عالم کو خواب و خیال
زر و خاک یکساں ہے اس کو مدام — بجز راستی کچھ نہیں اس کو کام
وہ ہمدرد ہے سب کا ہنگام کار — ہوں اغیار یا اُس کے خویش وتبار
بدیں طور لازم ہیں اشغال جوگ — منزہ رہیں تا کہ اعمال جوگ
مسطح جگہ اس پہ ہو گھاس بھی — پھر اک مرگ چھالا بھی کر پاس بھی
حواس اُس کی ہوں یاد میں جمع یوں — کہ دل شمع سے بھی ہو روشن فزوں

زبان و دل و دست یکجا ہوں سب
توجہ ہو پوری بدرگاہِ رب

سر بینی ہو صرفِ مدِ نظر
رہے مستعد ذوقِ جلوہ نگر

دل و جاں میں تب نورِ مطلق مرا
بچشمِ حقیقت نظر آئے گا

زیادہ جو سوتا ہے اور کھاتا ہے
وہ ادبار غفلت میں دب جاتا ہے

ہے لازم خور و خواب میں اعتدال
کہ تا معرفت میں ہو حاصل کمال

نہیں بجھتا جیسے وہ روشن دیا
ہوا سے جو ہر وقت بچتا رہا

اسی طرح جوگی[ے۱] بعمرِ دراز
رہا کرتا ہے قائم و جاں نواز

نفس ہے ہوا اور جاں ہے چراغ
تو رکھا اس ہوا کو بجوفِ دماغ

ہر اک دل برھم چرج سے ہی خوشی
دکھی اس سے ہوتا نہیں ہی کوئی

وہ لذاتِ حسی سے ہے دور تر
گزرتا ہے ہستی سے مثلِ شرر

نہیں رنج محنت کشی کا اسیر
تصرف میں ہے اس کے گنج خطیر

کہ زنبور جیسے بطرزِ نکو
ذخیرہ کیا کرتی ہے شہد کو

اُسے چھوڑ دیتی ہے پھر وقت پر
کہ تا اس سے ہوں دوسرے بہرہ ور

کبھی گر وہ کرتا ہے ترکِ عمل
نہیں وضع میں اس کی آتا خلل

وہ جب چھوڑتا ہے ہوائے ہوس
تو کہتا ہے اللہ باقی و بس

ے۱ متوصل بحق ۔

دل اس کا ہے پابندِ صبر و قرار
ہے آزاد ہر گردشِ روزگار

وجود اس کا ہے مرکزِ عین نور
عیاں اس سے ہے ذاتِ حق کا ظہور

وہ ہے لذّتِ وصل سے بہرہ ور
دل اس کا ہے پاک از خیالِ دگر

کہاں شیشۂ دل پر اُس کے غبار
ہے جلوہ نما اُس میں تصویرِ یار

وہ ہے فارغ رنج و غم ہر گھڑی
ہے حاصل اسے لذتِ سرمدی

ہے بینش نظر اُس کے رُوئے نگار
وہ خوش ہے بفیضِ تجلّیٔ یار

وہ ذرّے میں ہے دیکھتا آفتاب
نظر اُس کو آتا ہے حق بے نقاب

جہاں اس کے اندر کبھی ہے نہاں
کبھی وہ جہاں پر ہے جلوہ فشاں

جو کرتا ہے خود آپ کو محوِ ذات
سمجھتا ہے عالم کو عینِ صفات

وہ گرداب اعمال سے بچ گیا
ہے خلوت گہ قدس میں اس کی جا

ذرا دیکھ میرے گل و برگ و بار
نظر آئے گا تجھکو پروردگار

محیط جہاں ہے جو یہ موجزن
ہیں کون و مکاں اس میں جلوہ فگن

کہا پھر یہ ارجن نے اے محترم
یہ اعمال جوگ اور یہ حبسِ دم

یہ تفصیل بتلایئے گا مجھے
نہیں دل مرا چین دیتا مجھے

مجھے اپنے دل پر نہیں دسترس
ہوں مجبور اس سے بہر یک نفس

پریشانیٔ دل سے حیراں ہوں میں
بہت اپنے اوپر پشیماں ہوں میں

یہ دل ہے مرا یا کہ بادِ رواں
نہیں میرے قابو میں اے مہرباں

کہا حسن یہ دل مثل سیماب ہے — تو کیوں شدت غم سے بیتاب ہے
بتدریج کر اس کو قابو میں تو — نہ یکبارگی کیونکہ ہے شعلہ خو
پیا کر بآہستہ خون جگر — کہ تا رام ہو جائے یہ فتنہ گر
بتائی ہے میں نے جو راہ سلیم — تو چل اس پہ با ہمت مستقیم
ہوا و ہوس کے طلسموں کو توڑ — تماشائے ہستی سے لے منہ کو موڑ
یہ ہے نفس امارہ خصم قوی — شکست اس کو دے کر بنا زندگی
کہا پھر کہ اے غمگسار جہاں — دے اس مرد کامل کا مجھ کو نشاں
کیا اپنے قابو میں ہو جس نے دل — زبوں نفس کو کر کے اور مضمحل
اور اک وہ کہ جس نے تمنا کا دام — دیا توڑ بہر خدائے انام
اور اک وہ کہ با جوگ ہے متصل — بہر لحظہ ہستی میں ہے غم گسل
پس از مرگ یہ سب کہاں جائینگے — کہاں رہ کے وصل خدا پائیں گے
کہا حسن کہ ہے جو بھی محو رضا — پس از مرگ جنت ہی میں جائے گا
جو کامل کہ ہے عارفِ ناتمام — بتدریج پاتا ہے اعلیٰ مقام
وہ تا وقت موعود رہ کر یہاں — چلا جاتا ہے تا بدار الاماں
وہ ہو شاہزادہ کہ اک مرد عام — عمل سے رہا کرتا ہے شاد کام
پہنچتا ہے یوں تا بحد کمال — کہ ہوتا ہے آزاد ہر یک زوال
بنا اپنے دل کو تو جوگ آشنا[۱] — کہ تا مجھ سے مل کر ہو عین بقا

---

[۱] یعنی متوصل بحق ہو جا۔

مرے وصل سے جو ہوا کامراں ۔ ملی اُس کو سرداری دوجہاں

ادھیائے ہفتم بگیان جوگ نام

علم معرفت و عرفان الٰہی

بگوشِ رضا سُن مری گفتگو ۔ پہنچ جائے تا اپنی منزل پہ تو

ہو عرفان سرافراز ہو جائے گا ۔ تو جب منزلِ جوگ پا جائے گا

کر اس راہ مشکل کو اس طرح طے ۔ بہ تحصیل عرفاں کمر باندھ لے

وہی مرد اس رہ کا ہے شہ سوار ۔ ہوا جس کو عرفان پروردگار

ہے عارف کی خاطر بنائے جہاں ۔ معارف ہیں اس کے لئے حرز جاں

وجود اس کا ہے باعث کائنات ۔ مماثل خدا سے ہیں اس کے صفات

یہ نو چیزیں ہیں باعث انتظام ۔ انھیں سے دو عالم کا ہے اہتمام

یکے چار طاق و دگر آسمان ۔ دل و دانش و قدرت و نور جان

تجلی جاں ان میں روشن ہے یوں ۔ کوئی شمع ہو زینتِ بزم جوں

دو عالم ہیں فانی یہ جاں لازوال ۔ ہے دارائے کون و مکاں بےمقال

مری جان میں عالم ہے یوں مستتر ۔ نہاں تخم میں جس طرح ہو شجر

ضیائے مہ و مہر مجسم ہوں میں　　باامواجِ دریا تلاطم ہوں میں
میں ہوں حرفِ اوّل ز الفاظ وید　　میں ہوں اہلِ عرفاں کے دل کی اُمید
میں ہوں عقلِ عارف میں ہوں شانِ شاہ　　میں ہوں غیرتِ جہل و خیل و سپاہ
میں ہوں باجمال و میں ہوں باجلال　　میں ہوں خیرِ مطلق میں ہوں باکمال
میں ہوں چار عنصر میں ہوں نُہ فلک　　میں ہوں مالکِ جن و انس و ملک
میں ہوں ہرسہ گن اور میں پنج گن　　کہا میں نے ہی اوّلاً حرفِ کن
بظاہر کہ امثالِ مردم ہوں میں　　بباطن باشکالِ مردم ہوں میں
نہ فرزند بدیو نے پورنند　　میں ہوں ان حدود حسی سے بلند
نہ میں ہوں فرشتہ نہ میں ہوں بشر　　کسی کا نہ فرزند ہوں نے پدر
میں وہ ہوں کہ خود بھی نہیں جانتا　　ہوں کیا اور میری حقیقت ہے کیا
پہ جب چشمِ عرفاں سے دیکھے گا تو　　تو دیکھے گا مجھ میں ہی معنی ہو
وہ ناداں کہ ہے جن کی ساحل پہ جا　　وہ کیا جانیں ہے قعرِ دریا میں کیا
ہیں دنیا میں یہ چار کس نیکنام　　یکے وہ کہ خود جو نسبی تمام
کماتا ہے روزی بدرد و محن　　بہر طور ہستی میں ہے نیک ظن
دوم وہ جو دنیا نہیں چاہتا　　نہیں دیتا کلفت کسی کو ذرا
سوم وہ جسے معرفت کا ہے شوق　　ہے گرویدۂ حسنِ حق جس کا ذوق
چہارم شناسائے ذاتِ خدا　　ہے جس کی نظر قابلِ مرحبا

بہت کرتے ہیں دعوئ عاشقی
مگر مجھ تک آتا نہیں ہر کوئی

جو میری تجلی سے ہے آشنا
میں ہوں اس کا اور وہ مرا آئینا

اُسے نورِ حق رکھتا ہے ضو فروش
ہے جلوہ نگر وہ بھی با چشم ہوش

ہے عکس تجلی حق کائنات
یہ نیرنگ ہستی ہیں اُس کے صفات

یہاں جو ہے جلوہ شناسائے دوست
دل اُس کا ہے محو تماشائے دوست

یہ غفلت پرستش ہے کار فضول
ہے بیگانہ عقل مرد جہول

بجز ذاتِ حق دو جہاں میں کوئی
نہیں ہے نہیں لائق بندگی

پرستش کے لائق ہے ذاتِ احد
وہ ایک، اس کے جلوے ہیں گو لاتعد

ہے بے فائدہ خدمتِ دیوتا
پکڑ ہاتھ سے دامن کبریا

اگر ہے کوئی رازدارِ فلک
غلامی میں ہیں اس کی جن و ملک

تو کیا فائدہ جب کہ نورِ خدا
نہیں اس کی ہستی میں جلوہ نما

جو ہے اس سے غافل ہر اک اس کا کام
دو عالم میں ہے ناقص و ناتمام

اس عالم میں جو آرزو مند ہے
وہ دورِ تناسخ میں پابند ہے

یہ خس اور یہ دریا یہ کوہ و فلک
زمین و زماں، وحش و طیر و ملک

حقیقت یہ ہے اُن کی اے ذی شعور
فقط شکل اعمال کا ہیں ظہور

مصیبت کا ہیں جال یہ حرص و آز
در رنج شہوت سے ہوتا ہے باز

ہے پابندِ خواہش ہر اک آدمی
کوئی خوش گرفتارِ غم ہے کوئی

لگا کر کے جو دیوتاؤں سے دل ‏ بہر طور مجھ سے ہوا منفصل
فزوں اس کا ہو جاتا ہے اعتقاد ‏ پرستش میں رہتا ہے گرم جہاد
عبادت میں ہوتا ہے یوں باکمال ‏ عیاں اس سے ہوتا ہے حق کا جمال
وجود اس کا ہوتا ہے وہ آئینہ ‏ کہ حق جس میں رہتا ہے جلوہ نما
جو دل مثل آئینہ ہے بالیقیں ‏ گزر اس میں مکر و حیل کا نہیں
ہیں دور اس سے ہر لحظہ فسق و فجور ‏ نہیں ہوتا اس سے گنہ کا ظہور
وہ رہتا ہے گرم وفا متصل ‏ مری خلوت خاص ہی اس کا دل
کبھی اختلاف عقائد سے بھی ‏ پہونچتا ہے میرے حد تک کوئی
وہ واقف ہے خود جان جاندار سے ‏ نہیں ہوتا خوش کار آزار سے
دل مطمئن مجھ کو اندر جہاں ‏ ہے یوں دیکھتا ہر طرف ضو فشاں
کہ جس طرح محفل میں شمع لگن ‏ ہو نزدیک اور دور جلوہ فگن
ہے دانش تو اک رحمت ایزدی ‏ شگفتہ ہے اس سے دم زندگی
ہے ناداں ولے عقل ذلت فروش ‏ نہیں ہے حقیقت کا کچھ اسکو ہوش
جسے یاد ہوں میں دم واپسیں ‏ وہ جائے گا فردوس میں بالیقیں
یہ عالم ہے اک پردہ جان پاک ‏ اسے اہل عرفاں ہی کرتا ہے چاک
عیاں اور نہاں میں ہوں ہر رنگ میں ‏ ہوں جلوہ نما گوہر و سنگ میں
فنا اور بقا میں ہوں پرتو فگن ‏ ہوں دنیا میں یوں جیسے جان در بدن

نہ جیتا ہوں میں اور نہ مرتا ہوں میں
خبر ہر زمانے کی رکھتا ہوں میں

یہ مستقبل و حال و ماضی تمام
نگاہوں میں رہتے ہیں میری مدام

ہے دنیا گرفتار دام حواس
محیط اس لئے اس پہ ہیں جہل و یاس

ادھیائے ہشتم سدہ جوگ نام

اتصال رجال اعظم

کہا پھر کہ اے رہبر گمرہاں
کیا ادھیاتم[۱] کا تم نے بیاں

بتا دیجئے گا مجھے یہ ذرا
ادھی بھوت[۲] ہے کیا اور ادھی جگ[۳] ہے کیا

دم واپسیں جلوۂ ذات کو
ہے پہچانتا کیسے مرد نکو

جگو نگی و کیفیت کائنات
یہ نیرنگی جلوہ ہائے صفات

اور اشغال عرفان ایزد تمام
ہیں کس طرح با انضباط و نظام

کہا مثل قالب ہے یہ کل جہاں
ہے جاں اس کے پردہ میں جلوہ کناں

---

[۱] جان کہ متخلق باخلاق انسانی ہے اور مراد اعمال دعوتیہ ہے کہ بعث آفرینش ہوتے ہیں۔ [۲] عناصر ممکن الزوال۔ [۳] مجیب الدعوات

جو عنصر ہے باقی وہ فانی نہیں — ہر اک جلوہ ہے عکس جاں آفریں
اچھر[1] لافنا اور فانی چھر[2] — ادھی بھبوت[3] ہر وہ ہی اے خوش سیر
ہے جاں پرتو جلوۂ ایزدی — کہ دونوں جہاں سے تھا پہلے وہی
میں ہوں ادھی جگت شاہد ہر سہ حال — میں ہوں واقفِ راز حال و مآل
مجھی تک پہنچتی ہے خلقت کی خیر — میں ہوں دوست اس کا میں ہوں اس کا غیر
ہے مستقل عادت ایزدی — کہا جاتا ہے ادھیتا تم وہی
دم واپسیں جس کا جو ہے خیال — ممثّل اسی میں ہے اُس کا مآل
بجان و دل و عقل و ہوش و حواس — ہے محوِ خدا مرد ایزد شناس
ہدایت پہ میری کرے گا عمل — تو ہوگا ترا صاف دل بے خلل
تو یوں مجھ میں ہو محو اے جانِ جاں — نہ ہستی کا تیری رہے کچھ نشاں
جو مرنے سے پہلے[4] یہاں مرگیا — بقا کا اُسے رتبہ حاصل ہوا
وہ محتاج ارشاد رہتا نہیں — کہ خود مرشد ہو جاتا ہے بالیقیں
کہوں تجھ سے کیا حال جانِ جہاں — ہر اک جا ہے پیدا ہر اک جا نہاں
وہی جلوہ فرما ہے نزدیک و دور — کہ فانوس تن میں ہے اک شمع نور
ہے جو غرق دریائے عرفان ذات — وہ رکھتا ہے نظروں میں اس کے صفات

---

[1] اکشر لافنا [2] کشر فانی یعنی ادھی بھبت [4] موتوا قبل ان تموتوا۔

دمِ واپسیں اکر کے وہ حبسِ دم / مجھے رکھتا ہے دھیان میں بے الم

وہ لاتا ہے جاں کو بوئے دماغ / کہ تا رشکِ خورشید ہو یہ چراغ

رہا کرتا ہے یادِ ایزد میں جو / وہ ہو خواب میں یا کہ بیدار ہو

بہر لحظہ ہے ذکر سے اس کے شاد / ہے اُس کے لئے حرزِ جاں اسکی یاد

بہر یک نفس رہتا ہے محوِ ذات / پہنچتا ہے آخر یہ بامِ نجات

رکھی بار ہا اُس نے بنیادِ خلق / ہے ایزد ہی مختارِ ایجادِ خلق

برہما کہ ہے دو جہاں آفریں / وہ خود وآمد و شد سے فارغ نہیں

مگر واصلِ حق بذاتِ خُدا / فنا ہو کے ہوتا ہے عین بقا

وہ پھر آمد و شد سے آزاد ہے / بوصلِ خدا ہر گھڑی شاد ہے

جنھیں حرص و شہوت سے نفرت ہوئی / وہ ہیں نفس کی ذلتوں سے بری

عداوت کی لعنت سے محفوظ ہیں / وہ کب ذوقِ باطل سے محظوظ ہیں

اقامت ہے ان کی سرِ لامکاں / حریمِ تجلّی میں ہیں میہماں

بہت گنتے رہتے ہیں لیل و نہار / ہیں درماندہ لیکن وہ بیچارہ وار

بہت روز برہما کے کر کے شمار / کہیں چار جگ[لہ] ہیں درونِ ہزار

لہ ہزار جگ سے مراد ہزار دورہ ہے اوّل ست جگ دوم ترتیا سوم دواپر۔ اور چہارم کل جگ۔ ان کی تعداد ۴۳ لاکھ ۲۰ ہزار سالِ رسمی ہے۔

ہر اک شب ہے اس کی بمقدار روز
ہے خوفِ اجل سے مگر سینہ سوز

بہت گنتے رہتے ہیں دشت و جبل
بہت رکھتے ہیں ساعتیں بر محل

بہت لکھتے رہتے ہیں تقویم کو
ہیں بھولے ہوئے قدرِ تسلیم کو

فنا ہوں کے آثارِ ہستی تمام
برہما[1] کی ہوگی سحر جبکہ شام

بوقتِ شب آرام کرکے وہ زود
لے آئے گا خلقت کو پھر در وجود

نہیں جانتے برہما اک بندہ ہے
بدرگاہِ ایزد سر افگندہ ہے

ہے باقی فقط خالقِ بحر و بر
ہے آگ اُس کے غصے کی سوزندہ تر

بحق جہاں ہے رحیم و کریم
دو عالم ہیں حادث مگر وہ قدیم

شناسا ہے جو اس کا ہے باکمال
ہے ناواقفِ ذات وقفِ زوال

شناور ہے عارف بدریائے عشق
سوا اس کے ہے کون دانائے عشق

ہیں منزل پہ سب آشنایانِ ذات
پہ دلگیر ہیں ناواقفانِ صفات

ہے دانندہ نفسِ حق آشنا
بہر دو جہاں ہے فضیلت نما

ہر احوالِ عالم سے تجھکو ہنوز
خبر دے رہا ہوں میں اے نیک روز

ہے خورشید[2] کی سیر طرفِ شمال
بہ شاہنشاہ با عظمت و با جلال

---

[1] قیامت کبریٰ۔ [2] اترائن یعنی شکل پکش کے چھ مہینوں میں مرے ہوئے عارفِ ذات حق سے متوصل ہوتے ہیں وہ واپس نہیں آتے اور دکشنائن یعنی کرشن پکش کے چھ مہینوں میں مرے ہوئے اہلِ عمل کرۂ قمر سے واپس آجاتے ہیں یہ دو راستے روشن اور تاریک ہیں روشن راہ سے جاکر لوٹنا نہیں ہوتا اور تاریک راہ سے جاکر لوٹنا پڑتا ہے۔

یہ ہے روزِ روحانیوں کا تمام ۔۔۔ کہ بایمنت رہتے ہیں شادکام
جب آتا ہے سوئے جنوب آفتاب ۔۔۔ شب آتی ہے ہوتے ہیں وہ محوِ خواب
مرے گر کوئی وقت روحانیاں ۔۔۔ نہیں پھر وہ آتا ہے اندر جہاں
بوقت شب آتی ہے جس کی اجل ۔۔۔ پہنچتا ہے تا ماہ وہ بے خلل
پھر آتا ہے واپس یہیں بیگماں ۔۔۔ یہی نظم و ترتیب ہے در جہاں
ہے جوگ آشنا جو وہ ہے عین نور ۔۔۔ نصیب اس کو ہے جاودانی سرور
تو ہو منزلِ جوگ سے آشنا ۔۔۔ کہ ہو جائے تا محوِ ذاتِ خُدا
مسلسل ہے یہ دورۂ کائنات ۔۔۔ تماشا ہے در چشمِ اہلِ نجات

ادھیائے نہم راج جوگ نام

تمجید و توحید الٰہی اور شرف عبادت

سُن اب مجھ سے اے ارجن باصفا ۔۔۔ وہ اسرار ہیں جو حقیقت نما
وہ عرفانیت ہے جو یزداں شناس ۔۔۔ ہے افضل ہر اک علم سے بے قیاس
یہ دانش ہے معراجِ دانشوری ۔۔۔ ہے سب دانشوں پر اسے برتری
سمجھ اس حقیقت کو ہو شادماں ۔۔۔ مری طرح کر عشرتِ جاوداں

جو ہے بزم ہستی میں با اعتقاد — ہیں اس کو ہر لحہ رکھتا ہوں یاد
مگر سب وہ بے معرفت جو کہ ہیں — جلا کرتے ہیں آتش ہجر میں
وہ ہیں آمد و رفت میں پائے بند — ہیں نادان بے دانش و مستمند
دل خصم ہے خوف سے تیرے خوں — ہے دشمن ترے آگے صید زبوں
بہر رنگ ہیں آفرینندہ ہوں — بمعنی خدا ہوں ہیں گو بندہ ہوں
ہوں آزاد اعمال و ذوق مآل — مرا دل ہے وابستۂ ذوالجلال
تفاوت کوئی مجھ میں اس میں نہیں — خدا سے ہوں مل کر خدا بالیقیں
جہاں مجھ میں اور میں محیطِ جہاں — بڑا مرتبہ ہے مرا بے گماں
سمائے ہیں دونوں جہاں مجھ میں یوں — ہوا جیسے در گنبدِ نیلگوں
ہوں اعمال و اشغال سے میں بری — مرا رتبہ ہے رتبۂ ایزدی
ہیں وابستہ مجھ سے یہ سب این و آں — ہے قدرت سے میری طلسم جہاں
خدا سے ہوں میں اور خدا مجھ سے ہے — فنا مجھ سے ہے اور بقا مجھ سے ہے
برہما[1] کا دن منقضی ہوگا جب — ہر اک شے جہاں کی فنا ہوگی تب
بدل دوں گا میں دن سے پھر اسکی رات — جہاں کو لے آؤں گا پھر در حیات[2]
تو اس صفحہ پر میری تحریر دیکھ — عمل کی بہر رنگ تصویر دیکھ

---

۱ مراد قیامت کبریٰ۔ ۲ مراد حشر سے۔

میں قدرت ہوں قدرت سے سب کچھ ہی کچھ ہر — میں صانع ہوں صنعت سے سب کچھ ہی کچھ ہر

جو غافل ہیں مجھ کو نہیں جانتے — حقیقت نہیں میری پہچانتے

بچشم[۱] غلط دیکھتے ہیں مجھے — گرفتار تزویر ہیں پے بہ پے

یہ گمراہ منزل ہیں اور بے خبر — نہیں رکھتے چشم حقیقت نگر

برنگِ شیاطیں گنہگار ہیں — بدی کے ہیں خوگر سیہ کار ہیں

فرشتہ صفت ہیں جو انساں یہاں — مجھے دیکھتے ہیں بس لامکاں

مجھے پوجتے ہیں وہ ہر صبح و شام — مری یاد میں رہتے ہیں شاد کام

سمجھتے ہیں وحدت ہے کثرت ہی کیا — جہاں کیا ہے اور کیا ہے ذات خدا

تگ و تاز سے کب کوئی پاتا ہے — بعرفان جگ مجھ تک آجاتا ہے

جہاں ڈھونڈتا ہے کوئی نیک پے — وہیں میں ہوں موجود اس کے لئے

ہر اک جا بہر رنگ حاضر ہوں میں — بہ احوال جو بندہ ناظر ہوں میں

میں جگ ہوں میں آتش ہوں میں آب و خاک — میں ہوں وہ ہوا جو ہے ہر طرح پاک

میں ہوں پسر یار و برادر ہوں میں — پدر بھی ہوں اور نیز مادر ہوں میں

ثمر بخش اعمال مردم ہوں میں — جزا بخش افعال مردم ہوں میں

---

۱ حق تعالےٰ بحسب خواہش محبان خود اکثر اوقات بصورت موہوم ظاہر ہوتا ہے مگر جاہل اس شکل کو اپنی سے مشابہ دیکھ کر اس کی ہیئت حقیقی سے غافل رہتے ہیں۔

۲ مقصد یہ ہے کہ اہل عرفان تمام مخلوق میں ذات حق کو موجود سمجھ کر پرستش کرتے ہیں۔

حیات و ممات خلائق ہوں میں
خبردار علم حقائق ہوں میں

میں ہوں خشک سالی و باران و ابر
میں ہوں شاکر و صابر و صبر و شکر

ہوں وہ حرف اوّل جو میں نے کہا
بہر رنگ ہستی ہوں جلوہ نما

فراہم کن ہر پراگندہ ہوں
پناہ غریبان درماندہ ہوں

زمیں بھی میں ہی آسماں بھی میں ہی
مکیں بھی میں ہی اور مکاں بھی میں ہی

میں ہوں رازق خلق و غمخوار خلق
بروز مصیبت نگہدار خلق

مجھے ظرف بھی جان مظروف بھی
میں ہوں صرف بھی اور مصروف بھی

میں ہوں چاند اور سورج اختر ہوں میں
ہوں بالا بھی اُن سے وہ جوہر ہوں میں

میں ہوں قعر دریا بھی ساحل بھی ہوں
میں ہوں آب حیواں ہلاہل بھی ہوں

ہے جو کچھ یہاں بیش اور کم ہوں میں
گواہ بد و نیک عالم ہوں میں

ہے مقبول رب سے غرض بندگی
اسی سے ملا کرتی ہے خوشدلی

جو ہے بندۂ خاص و مقبول حق
وہ ہے خلوت حق میں موصول حق

کسی طرح کر لے عبادت کوئی
مگر چاہئے اس میں صدق دلی

ہے مد نظر اس میں گر ذات حق
تو بیشک ہے بخشش کی وہ مستحق

اگر غیریت سے مصفا ہے دل
تو عرفان حق سے ہے وہ متصل

لیا جس نے دل اپنا مجھ سے لگا
وہ دام ہوا و ہوس سے بچا

نتیجۂ ہر جگہ طاعت ہوں میں
خداوند اہل حقیقت ہوں میں

مجھے دل دیا جس نے ہے اہل سوز — وہ ہے صورت شمع جلوہ فروز

تو کر جنگ و خیرات میرے لئے — کہ ہو جاؤں میں تاکہ تیرے لئے

شیاطیں کی جانب جو مائل ہوا — لیا اُس نے رستہ غم و رنج کا

نہ پہنچے گا منزل پہ اپنی کبھی — رہے گا گرفتار طوق بدی

خدا تک پہنچ جا خودی چھوڑ کر — مجھے دیکھ از دیدۂ حق نگر

نہ رکھ راہ باطل میں اپنا قدم — ہیں اس راہ میں سخت رنج والم

میں خواہندۂ عشق ہوں ہر زماں — یہ ہے شیوۂ اہل دل در جہاں

کرے گا اگر عشق تو اختیار — ملے گی تجھے دولت پائیدار

ہے اخلاص ظاہر نفاق آفریں — کوئی اس سے بڑھکر بُرائی نہیں

بباطن لگا مجھ سے دل صبح و شام — رہے تاکہ کونین میں شادکام

بیک رنگ دل جس کا مجھ سے ملا — خیال دوئی دور اس سے ہوا

یہ آتش فروزی یہ زہد تمام — یہ خیرات و طاعات باالتزام

یہ برگ گل اور چند قطرات آب — اگر دے باخلاص ہے کامیاب

نہیں زہد و طاعت پہ میری نظر — ہے اخلاص منظور مجھ کو مگر

اگر کوئی فاجر کرے میری یاد — وہ ہے میرے زنداں سے آزاد و شاد

باخلاص جو پوجتا ہے مجھے — عنایات ہیں میری اس کے لئے

کریں یاد اگر میری اہل گناہ — میں دیتا ہوں اُن کو مقام پناہ

باخلاص کرتے ہیں جو بندگی — ہے آگ اُن کے دل میں مرے عشق کی
دو عالم سے ہیں اُن کے رُتبے سوا — بجُز رخ حقیقت ہیں جلوہ نما
خداوند ہر دو جہاں ہیں وہی — انہیں دولتِ وصل حق مل گئی
مناں[۱] ورکھاں[۲] عبادت[۳] گزیں — باخلاص ہیں مجھ سے جو ہم قریں
خداوند ہر دو جہاں ہو چکے — بوصل خدا شادماں ہو چکے
غرور اور پندار سے توبہ کر — بعجز و وفا رکھ تو مجھ پر نظر
بخیرات و طاعت مجھے یاد کر — مرے عشق سے قلب کو شاد کر
جو شودر کیا کرتے ہیں میری یاد — وہ ہیں میرے نزدیک عالی نژاد
میں عشاق سے اپنے شرمندہ ہوں — تو کر عشق میں عشق کا بندہ ہوں
عبادات میں جو ہیں اخلاص کیش — میں اُن کا ہوں اور ہیں وہ سب میرے خویش
بہ پتران و دیوان ہے جو مشتغل — پس از مرگ وہ ان سے جاتا ہے مل
مرا ہے وہ جس کو ہے میری لگن — وہ ہو چھتری یا کہ ہو برہمن
مرے عشق میں بے خودی چاہیئے — خودی چھوڑ تا گمرہی سے بچے
جو حاصل تجھے ہوگا عرفاں مرا — بہر طور کامل تو ہو جائے گا

---

۱ و ۲۔ فقرائے بزرگ۔ ۳ اجداد مرحوم و ملائکہ وغیرہ چونکہ نہ خود فانی ہیں اس لئے اپنے پرستاروں کو بقائے دوام نہیں دے سکتے۔

کسی کا نہیں دوست ہوں نے عدو — ہر اک کے لئے ہوں میں یکرنگ خو
جو مخلص ہیں اُن کا طلبگار ہوں — میں بھگتوں کا اپنے خبردار ہوں
کرے گا اگر دل سے خدمت مری — تو پائے گا دونوں جہاں کی خوشی
باخلاص جو پوجتا ہے مجھے — وہ جنّت میں جاتا ہے اے نیک پے
تو خدمت سے ہو جائے گا کامیاب — بنے گا باخلاص گردوں جناب

ادھیائے دہم ببھوت جوگ نام

پُرجاہ و جلال موجودات میں حق تعالیٰ ہی کی طاقت ہے

توجہ کر اے ارجن خوش امید — میں کرتا ہوں بے پردہ اور ایک بھید
نہیں ہے یہ روحانیوں[1] کو خبر — یہ راز اُن کی آنکھوں سے ہے مستتر
بہر رنگ ہر شے ہوں میں خودنما — نہیں ہے یہاں کوئی میرے سوا
خبر کیا انھیں میرے آغاز کی — صدا میری ہر ساز میں ہے چھپی

---

[1] ملائکہ اور دیوتا اور فقرائے بزرگ جن کو رشی کہتے ہیں۔ مگر یہاں ملائکہ سے مراد ہے۔

مقدم ہے ہر اک سے میرا ظہور
میں ہوں دو جہاں کے لئے شمع نور

خبر کیا کسی کو کہ میں کون ہوں
طرازندہ عالم کون ہوں

مجھے اوّل و آخرین جہاں
جو دیکھے مکاں اس کا ہے لامکاں

ہے آزاد ہر دام سخت گناہ
بخلوت گہہ قدس ہے اس کی راہ

دل و عقل و آرام و صبر و قرار
اور اصلاح این نفس بے ہودہ کار

بقاؤ فنا و تمنائے دل
شکیبائی و شکر و ایذائے دل

غم و شادی و راستی و سخن
نکوئی و زشتی و رنج و محن

نکو نامی بدنامی دو جہاں
بیک رنگ رہنا چو آبِ رواں

مجھی سے ہیں یہ سب بشانِ وجود
مجھی سے ہے ہر شے میں ذوق نمود

میں جوہر ہوں میرے سوا سب عرض
نمودِ ہر اک شے ہے مجھ سے غرض

کئے دل سے پیدا منان[۱] و رکھان[۲]
کہ قائم رہے ہے اُن سے تا یہ جہان

مجھے جس نے سمجھا جہان آفریں
مرے دل کی خلوت میں ہے وہ مکیں

بڑھاتا ہوں میں قدر روحانیاں[۳]
ہے قالب جہاں اور میں اُس کی جاں

---

۱ منان مرادان چودہ من سے کہ جن سے تمام عالم پیدا ہوا۔ ۲ رکھان ہفت انجم
مطلب یہ ہے کہ میں مبدع عالم ہوں اہل دانش کہ اہل محبت ہیں یہی اعتبار کرکے خدا کو پوجتے ہیں۔ ۳ فقرائے بزرگ و ملائکہ۔

وجود و عدم اور حدوث و قدم
زمین و زماں عرش و لوح و قلم

مرا عکس ہیں یہ سب اور میرا روپ
اسے عارف حق سمجھتا ہے خوب

ہے مشکل مری معرفت بے گماں
بہت گم ہوئے اہل دانش یہاں

سمجھ لے کہ ہیں آفرینندہ ہوں
بہ نیک و بد خلق بینندہ ہوں

جو ہیں اہل عرفاں وہ ای نیک پے
بعین الیقیں دیکھتے ہیں مجھے

مری یاد میں رہتے ہیں وہ مدام
تصور میں اُن کے ہوں میں صبح و شام

بدرس حقیقت ہیں وہ مشتغل
سراپا ہیں جان اور سراپا ہیں دل

مرے علم و عرفاں سے ہیں سرفراز
بہر یک نفس ہیں حقیقت نواز

بصبر و قناعت بسر کرتے ہیں
محبّت کا میری ہی دم بھرتے ہیں

مرے دوست کا ہے بڑا مرتبہ
دو عالم میں ہے وہ بھی عالم پنہ

سبھی اُس کے در پر ہیں سجدہ گزار
وقار دو عالم ہے اس کا وقار

پھر ارجن ہوا اس طرح ملتجی
کہ اے رازدارِ خفی و جلی!

پناہ بد و نیک ہستی ہے تو
خداوند بالا و پستی ہے تو

تو ہے جسم عالم تو ہے جانِ خلق
تو ہے کفر و مستی و ایمانِ خلق

شناسندہ خود تو ہے بے گماں
میں کیا تجھ کو سمجھوں کہ ہوں ناتواں

تری شان ہر جا ہے جلوہ فروش
ہے قربان تجھ پر دو عالم کا ہوش

خدارا مجھے اس قدر دے بتا
تجھے کیسے پہچانوں اے پیشوا

کہاں تجھ کو ڈھونڈوں کہاں پاؤں میں — تری جستجو میں کہاں جاؤں میں

کہا غور سے سُن مری بات تو — نہ لا دل میں دیگر خیالات تو

ادت[1] کا ہوں بیٹا مرا نام کِشن — میں ہوں پوربدیو یعنی کہ کشن

میں ہوں ماہ و خورشید جلوہ فگن — مریچی مردتوں میں ہوں جان من

میں اوّل ہوں آخر ہوں اور درمیاں — یہ دنیا ہے قالب میں ہوں اسکی جاں

مرا نام ہے سام درو ید ہا — ہوں روحانیوں میں سُر دیوتا

ہوں احساس میں دل تنوں میں ہوں جاں — ہوں رودروں میں شنکر ہی بیگماں

سمیر[2] ہوں میاں جبل واقعی — یہ جیل پروہت[3] ہوں میں مشتری

یہ پچھچھا ورچھا[4] میں ہوں مستتر — میں آٹھوں بسوا میں ہوں نامور

ہوں رشیوں میں بھرگوئے نیکو شیم — میں ہوں اسم ذاتی بہ عالم علم

جگوں میں ہوں تو ست جگ مجھے کر شمار — ہماچل ہوں میں در ہمہ کوہسار

درختوں میں پیپل مجھے جان لے — تو رشیوں میں نارد[6] مجھے مان لے

میاں گندھربان[5] خوشتر نوا — میں ہوں چیتر رتھ مطرب دیوتا

---

[1] سوائے حق تعالےٰ کے اور کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی یہ کمال احدیت ہے اس کو وحدت الوجود کہتے ہیں آخر باب تک یہی مضمون ہے۔ [2] کوہ طلا [3]

[4] [5] این ہر دو قوم از اقوام شیاطین [6] ملک الفقراء۔

سدھوں کی جماعت میں ہوں میں کپل · نفس بر نفس سب سے ہوں متصل
ہیں گھوڑوں میں ہوں اسپ اوچشروا[1] · بہ فیلاں مرا نام اراوت[2] ہوا
حقیقت سلاح اور اسلحہ[3] کی ہوں · میں ہوں بجر اور کامدھینی[4] بھی ہوں
ہیں سانپوں میں ہوں باسک نامدار · میں ہوں شیش ناگ سراپا وقار
ہے زیبا مجھے عز و کبر و منی · مرا قلب ہے دو جہاں میں غنی
تو دیتان میں مجھکو پہلاد جان · جو قاتل ہیں ان میں مجھے موت جان
بہ تندی اگر باد صرصر ہوں میں · تو در برج اک شام دلبر ہوں میں
مرا نام ہے مچھلیوں میں نہنگ · میں امواج دریا میں ہوں موج گنگ
مرا نام ہے نتج منتروں میں رام · جو ہر دو جہاں میں ہے عالی مقام
میں اوسط بھی آغاز و انجام بھی · ہوں بخشش بھی اور فضل و اکرام بھی
میں ہوں حلم و بردانت اور باکمال · میں ہوں صاحب شان و عز و جلال
بنوع بشر میں شہنشاہ ہوں · خداوند ہر رتبہ و جاہ ہوں
ہوں وہ دیوتا نام[5] جس کا ہے کام · میں ہوں برن[6] دریا ہے جس کا مقام
مرا نام پتروں میں ہے اریمان[7] · میں یم ہوں شہنشاہوں میں بیگماں

---

[1] اسپ اندر کہ آب حیات سے پیدا ہوا ۔ [2] فیل اندر ۔ [3] سلاح اندر [4] دیوتاؤں کی گائے [5] اولاد پیدا کرنیوالا شہوت کا دیوتا ۔ [6] برن ہوا کا دیوتا [7]

[4] کام دھینوں بھی پڑھ سکتے ہیں ۔

درندوں کے ہوں درمیاں شیر نر — اور ہوں طائروں میں گرڑ تیز پر
ڈونڈ[۱] ہے مرا نام اندر سماس[۲] — سمجھتے ہیں خوب اس کو معنی شناس
میں ہوں وہ زمانہ جو ہے بے زوال — میں ہوں مرگ کہتے ہیں سب جسکو کال
مجھے جان الف درمیان حروف — وہ سورج ہوں جسکو نہیں ہے کسوف
پرتھما ہوں میں اور وہ ہر اک وجود — جہاں میں ہے آئندہ جس کی نمود
میں ہوں کیرت وسمرت و پرتھمی — چھما بھی ہوں اور دھیرج و سرستی
میں ہوں چھند میں نغمہ گائتری — برہت سام ہوں وقت نغمہ گری
دھنتر حکیموں میں ہوں سر بسر — مصاحب ندیموں میں ہوں وقت پر
مرا نام ہے موسموں میں بسنت — میں ہر جا ہوں غمخوار سادھو و سنت
مہینوں میں منگسر مجھے کر شمار — میں بازی کے ہر داؤ پر ہوں قمار
میں ہوں فتح و تدبیر عزم جواں — کمال کمالات ہوں ہر زماں
مرا نام دانشوروں میں بیاس — ہوں پانڈوں میں ارجن ذرا کر قیاس
میں ہوں خامشی جو ہے مہر دہن — میں ہوں حسن تقریر اہل سخن
میں ہوں معرفت بہر فرزانگاں — میں ہوں شور سودائے دیوانگاں
یقیناً میں ہوں اصل خلق جہاں — ہوں ہر دم نگہبان کون و مکاں

---

۱ ڈونڈ ۲ مرکب الفاظ۔

غرض جو بھی کچھ ہوں میں ہوں اے عزیز
سمجھ لے اگر تو ہے صاحب تمیز

بیاں سے فزوں میرے حالات ہیں
ہر ایک شے میں میرے کمالات ہیں

گماں ہوں میں اور ہوں قیاس و خیال
میں ہی ہوں جمال اور میں ہی ہوں جلال

یہ خلق ایک ذرہ ہے میں آفتاب
تو دیکھے گا جب ہو گا آزاد خواب

ادھیائے یازدھم بشوروپ جوگ نام
ہمہ گیر صورت گردونی

یہ بیش سری کشن عالم نواز
ہوا ارجن اس طرح گرم نیاز

تو ہے چارہ فرمائے بیچارگاں
بہر لحظہ پروردگار جہاں

تو وہم و قیاس و گماں سے ہے دور
کہاں سمجھے تجھکو کسی کا شعور

کیا مجھ پہ رازِ حقیقت عیاں
دیا مجھکو عرفانِ حق کا نشاں

محیطِ جہاں ہوں یہ تو نے کہا
تقاضا ہے اب یہ مرے قلب کا

تو وہ اپنی صورت دکھا دے مجھے
جو دامن میں کونین کو ہے لئے

تمنائی ہوں میں وشوروپ کا
وہ جلوہ مجھے بھی دکھا دے ذرا

؎ وجود ہمہ گیر گردونی جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔

سر اسرار کو بین کر دے مجھے
کہا خوب ہے یہ تری آرزو
مگر چشم ظاہر تو کرلے یقیں
تری چشم بینا کو وہ انجلا
میں کرتا ہوں یوں تجھکو روشن بصر
یہ کہہ کر برنگ گلِ تازہ رنگ
نظر صورتیں حد سے آئیں فزوں
ہر اک مثل خورشید رخشندہ تر
ہزاروں مہ و مہر با آب و تاب
وجود موالید عنصر تمام
وہ ارجن کو سب کچھ نظر آگیا
ہر برہم و مہادیو با صد وقار
سموم و نسیم و صبا و دبور
سیہ ابر اور اس میں بجلی کا شور
وہ پاتال اور اژدہائے دماں
عجائب بہت ایسے آئے نظر
زمیں پر جھکا سر کو کہنے لگا

خبردار کو بین کر دے مجھے
میں بر لاؤں گا اس کو اے نیک خو
حریفِ تجلّی مطلق نہیں
میں دیتا ہوں ہے جو حقیقت نما
بجز میرے دیکھے نہ جس نے دگر
دہن کو کیا اپنے وا بے درنگ
بہر رنگ بے مثل اور بے چگوں
بہر طور و ہر نوع تابندہ تر
نمائندۂ جلوۂ بے نقاب
بلندی و پستی کا ہر اک مقام
جو فوق السما اور ہے تحت الثریٰ
مہیش و دھنیش و گنیش و کمار
گلستاں و فردوس و حور و قصور
مسلسل ہوا اور بارش کا زور
ہر اک اُن میں پُرخوف و آذر فشاں
کہ تھرا گئے جن سے قلب و جگر
کہ اے واقفِ راز ارض و سما

عنایت سے تیری جہاں درجہاں — ہوئے تجھ پہ اسرار مخفی عیاں

مگر ایک صورت کہ ہے دل رُبا — جو دیکھی دل ہاتھوں سے جاتا رہا

بناز و ادا اک بُتِ دلفریب — ہے غارت گر ہوش و صبر و شکیب

وہ نور اس کے چہرے کا ہے لاجواب — خجل جس سے ہے جلوۂ آفتاب

ہے اس شکل پر جان میری فدا — سلامی ہیں اس کے یہ ارض و سما

نہیں تیرے جلووں کی کچھ انتہا — کہاں دیکھوں کس طرح دیکھوں ترا

ہیں تسبیح میں تیری جن و ملک — تجھے سجدہ کرتے ہیں ماہ و فلک

ترے ذکر سے بلبل و گل ہیں شاد — دلِ کوہ و دریا میں ہے تیری یاد

ہے عالم ترے عشق کا پرخروش — نہاں تو بھی جس میں ہے زندہ پوش

ہزاروں دہن دست و پا بیکراں — نظر تجھ میں آئے جہاں درجہاں

سرو و جچھ[1] و گندھرب[2] و رچھ اور نار — وہ لب دیو بھی اور اشنی کمار

مرت سدھ[3] و سادھ رکھاں[4] جہاں — ہیں سب بجوِ جلوہ بے کراں

لرزتا ہے دل سخت حیراں ہوں میں — نہیں ہوش مجھکو پریشاں ہوں میں

برادر جو ہیں دشمن جان و تن — کرن اور بھیشم بھی اور بکرن

یہ سب اور اُن کی سپاہ گراں — نظر مردہ آتے ہیں اندر جہاں

---

۱ جن ہا ۲ سرائندگان ملائکہ ۔ ۳ بادہا ۔ ۴ مہارشتی ۔

مری فوج سے بھی درشتہ دمن
نظر آ رہا ہے مجھے کشتہ تن

درو پد سکنڈی و بیراٹ بھی
ہیں خاموش آغوش میں موت کی

ہے دریائے خوں اک طرف شعلہ تاب
ہیں سر جس میں کشتوں کے مثل حباب

ہیں جتنے سب ہستی سے بیگانے ہیں
تری شمع رُخ ہی کے پروانے ہیں

ہے پیش نظر گو ہمہ کائنات
ہیں پوشیدہ مجھ سے پُر اسرار ذات

تو ہو کچھ بھی لیکن بایں عز و شان
نہیں آتا تا حد وہم و گمان

کہا میں نے اپنا رُخ بے نقاب
دکھایا تجھے سب اُٹھا کر حجاب

تو ارجن نہیں اب بھی راز آشنا
نہیں ہے ترا دیدۂ فہم وا

ہیں نظروں کے آگے تری بے خلل
وہ سب ہو چکے جو کہ نذر اجل

دئے مرگ اور زیست کے سب نشاں
کیا رازِ تقدیر تجھ پر عیاں

جو کشتے ہیں وہ سب دکھائے تجھے
سبھی رازِ پنہاں بتائے تجھے

نہ خود رفتہ اتنا ہے کیوں اے جری
در آ سوئے میداں بجوش قوی

یہ سب کیرواں بخت برگشتہ ہیں
ہزیمت کے میداں میں سرگشتہ ہیں

تو کر جنگ ہے اس میں عزّت تری
دو عالم کی مل جائے گی سروری

یہ سُنکر ہدایات فرخندہ کار
ہوا ارجن آمادہ کارزار

ہوا گرم وصف و ثنائے خدا
دیا کشن کے پاؤں پر سر جھکا

کہا تیرے محکوم ہیں دو جہاں
ترے زیر فرماں ہیں کون و مکاں

پرستار ہیں تیرے سب صبح و شام — تو ہے قابلِ سجدۂ خاص و عام
پناہ غریبانِ بیکس ہے تو — میں ہوں ناتواں مجھ کو کر سرخرو
ہے برتر تو آغاز و انجام سے — بہت دور ہے حدِّ افہام سے
برہما تو ہی ماہ و خور ہے تو ہی — تو ہی برن[۱] و یم[۲] ہے تو ہی آگہی
تو ہی علم و عالم تو ہی نار و باد — تو ہی مظہرِ پاک ربّ العباد
غرض دیدۂ شوق سے پے بہ پے — میں ہر اک طرف دیکھتا ہوں تجھے
بعید از گماں ہیں تری قوتیں — فزوں ہر دو عالم سے ہیں عظمتیں
شناسائی ممکن نہیں ہے تری — فنا تجھ میں ہے خلق کی زندگی
مکرر مکرر بشور و غریو — میں کہتا ہوں اے کرشن اے باسدیو
بہ مجلس بہ خلوت بوقتِ طعام — کیا میں نے شوخی سے اکثر کلام
مجھے بخش دے بخش دے اے کریم — تو کر رحم مجھ پر کہ ہے تو رحیم
تو ہے باپ اور میں ہوں مثلِ پسر — تو کوتاہیوں سے مری درگزر
بزرگِ بزرگاں ہے تو واقعی — نہیں ہر دو عالم میں تجھ سا کوئی
جھکاتا ہوں سر میں بعجز و نیاز — میں بندہ ہوں اور تو ہے بندہ نواز
مرا دل ہے پُرخوف اے ذوالمنن — ہے دہشت سے لرزاں ہر اک موئے تن

۱ے ہوا کا دیوتا ۲ے ملک الموت

وہی پہلی صورت مجھے پھر دکھا — بشکل چترّبھج یہ چکر و گدا
یہ درخواست ارجن کی سُن کر کہا — تری آرزو ہے صداقت نما
جو صورت کہ آئی ہے تجھ کو نظر — دو عالم کی نظروں سے ہے مستتر
نہ دیکھا کسی نے نہ اس کو سُنا — وہ ہے دانش و فہم سے ماورا
گئے اس تمنا میں کتنے گزر — مگر میری صورت نہ آئی نظر
بہت عشق میں مٹ کے خاک ہو گئے — نہ وہ لذت وصل کو پا سکے
کئی بھگتوں نے جگ اور عبادت بھی کی — نہ اُن کو یہ دولت میسر ہوئی
مگر تیری قسمت میں تھا بیگماں — کہ ہو تو شناسائے راز نہاں
یہ کہہ کر وہی صورت اوّلیں — دکھائی پھر ارجن کو با صد یقیں
سکون دل و جان فروغ نظر — جمالِ مہ و خور سے رخشندہ تر
گدا او پدم چکر و سنکھ بھی — لئے اپنے ہاتھوں میں با صد خوشی
وہ پرہائے طاؤس کا سر پہ تاج — کہ حُسن دو عالم ہے جس کا خراج
کمر میں وہ گھنگرو وہ پیتامبر — ستارے سے کانوں میں روشن گہر
برنگِ شُتر قشقۂ دلستاں — جبینِ مُبارک پہ جلوہ فشاں
گلو زیب وہ کوستبھ من کا نور — نگاہوں میں نجم سحر کا ظہور
ہوا دیکھ کر شاد ارجن کا جی — دوبارہ اُسے زندگی مل گئی
بمدح و ثنا ہو کے مصروف یوں — لگا کہنے اے جلوۂ بے چگوں

کسی سے نہیں تیری ممکن ثنا
تو ہے حد ادراک سے ماورا
کہا تو مرا عشق کر اختیار
ہو تا دو نوں عالم میں با اقتدار
فنا ہو کے تو مجھ سے یوں آ ملے
نگاہیں بھی تیری نہ دیکھیں تجھے

ادھیائے دوازدہم بھگت جوگ نام

اتصال طاعتی

کہا پھر یہ ارجن نے با صد نیاز
کرم سے ترے ہے در فیض باز
بر آئیں مری آرزوئیں تمام
مرا دل بہر طور ہے شاد کام
ترا لطف مشکل کشا ہے مرا
ہے دونوں جہاں میں تو حاجت روا
زخود رفتہ ہیں عشق میں جو ترے
حقیقت کچھ اُن کی بتا دے مجھے
وہ ہیں محوِ عشقِ خدا کس طرح
علائق سے ہیں وہ جدا کس طرح
تصور میں ہے لامکاں کے کوئی
بحدِ صفت پوجتا ہے کوئی
جدا ان میں ہے کون واصل ہے کون
بتا کون ناقص ہے کامل ہے کون
کہا سن کہ ہیں جو حقائق شناس
ہیں آزاد ہر دامِ امید و یاس
مری یاد میں وہ شب و روز ہیں
وہ مصروفِ صد آہِ دلدوز ہیں

مری یاد ہی تو ہے یادِ خدا
سبھی ہیں وہ اس بھید سے آشنا

نظر ہو کہیں اُن کی گو محوِ دید
مگر عقل و دل ہیں برب مجید

نظر میں ہو گو جلوۂ ماسوا
مگر یاد میں اس کی ہو دل لگا

تو دیکھ اپنے نزدیک یا دور دیکھ
ہر اک چیز میں اُس کا ہی نور دیکھ

وہ طاعت ہو ہمّت ہو جو کچھ بھی ہو
سلوک و صداقت ہو جو کچھ بھی ہو

کئے جس نے میرے لئے باخوشی
حقیقت کی دولت اُسے مل گئی

اگر یادِ ایزد ترے دل میں ہے
تو ہر لمحہ تو اس کی منزل میں ہے

علائق سے ہستی کے آزاد ہو
تو رکھ صاف دل اپنا اور شاد ہو

تو رہ خیر خواہ خلائق مدام
نہ تیغ ستم کو تو کر بے نیام

غم و شادمانی کی حد سے گزر
محبّت کی رکھ بے کسوں پر نظر

نہ رکھ اپنے دل میں تمنّا کوئی
بیادِ الٰہی رہے زندگی

رہا کر تو شام و سحر پاک باز
ہو مدح و ذم خلق سے بے نیاز

قناعت اسی پر ہے لازم تجھے
بحکم خدا غیب سے جو ملے

جو اتنا ملے جس سے مہماں کو بھی
کھلا دے تو ہے یہ بڑی مردمی

تلاش مکاں میں نہ تو وقت کھو
رہ اس کی تمنّا میں جو ہو سو ہو

علائق سے آزاد ہے جو بشر
جہاں جا کے بیٹھے وہیں اس کا گھر

بری رد و کد سے ہے اس کی معاش
کہاں بہرِ روزی ہے اس کی تلاش

نہیں گفتگو آب حیواں ہے یہ
تو سُن غور سے راحت جاں ہے یہ
اسی سے تو پائے گا وہ زندگی
دو عالم میں ہے جس کو پائندگی
پھر ارجن نے پوچھا زِ راہ نیاز
کہ اے کارپرداز عالم نواز
ہے پر کرت کیا اور ہے پُرکھ کیا
مجھے چھیترگ و چھیتر کا دے پتا
ذرا گیان سے دے مجھے آگہی
ترا لطف ہے لطف حق واقعی

ادھیائے سیزدہم چھیترگ یوگ نام

تفریق جسم و دانندۂ جسم

بدن چھیتر ہے ارجن خوش گماں
ہے چھیترگ سُن عارف راز داں
نہیں کوئی واقف کہ ہے جسم کیا
حقیقت سے اس کی ہیں عارف آشنا
جو جیتے ہیں عشق خدا کے لئے
ہیں ان دونوں کی معرفت چاہتے
مری گفتگو غور سے سُن ذرا
بدن کی حقیقت تجھے دوں بتا

۱؎ چھیتر۔ جسم کہ بمنزل مزرعہ ہے اور چھیترگ دانندۂ جسم کہ بمنزل دانندۂ مزرعہ ہے یعنی نفس ناطقہ۔

جو ہیں راہِ دانش کے سالک یہاں
فلک آتش و آب و خاک اور باد
من و ما و عقل و دل و وہ حواس
تمنا - عداوت - محبت تمیز
یہ راحت یہ رنج و شکیبائی بھی
جو عارف ہے وہ نیک اندیشہ ہے
وہ بدخواہ و دشمن کسی کا نہیں
تحمل میں ہے مثل کوہِ گراں
ہیں کیا رنج و راحت نہیں جانتا
وہ ہے دوستی پیشہ اور حق گزار
وہ ہے خادم مرشد خود یہاں
نجاست سے رکھتا ہے وہ جسم پاک
وہ قادر ہے گفتار و کردار پر
ہے احوال سے جسم کے باخبر
کہوں کیا بدن میں ہے کیا کیا چھپا
نہیں ہوتا عارف ذرا بھی غمیں
حصول مقاصد کی اُس کو خوشی

وہ کرتے رہے ہیں بہت کچھ بیاں
انھیں پر ہے بنیاد کون و فساد
ہے قدرت سے ان سب کی محکم اساس
یہ ہیں اقتضائے بدن اے عزیز
ہے ان سب کی چھیتر سے وابستگی
نہ مغرور ہے نے ریا پیشہ ہے
کسی کو وہ آزار دیتا نہیں
بہرطور ہے فارغ دو جہاں
خیالات باطل سے ہے ماورا
فریب و کجی کب ہے اس کا شعار
بجا لاتا ہے فرض خدمت بجاں
نہ ہو آب تو لیتا ہے منت خاک
ہے افعال پر اس کی گہری نظر
با فعال و اعمال ہے حق نگر
جوانی و سردی و مرگ و بقا
اسے عشق فرزند و زن کا نہیں
نہیں زندگانی میں ہوتی کبھی

نہ فقدانِ مطلب سے رنجیدہ ہے — جس عالم میں بھی ہے وہ سنجیدہ ہے
مٹا دیتا ہے دل سے نقشِ دوئی — تصوّر میں اس کے ہے صورت مری
بہرحال رہتا ہے درجائے پاک — وہ ہے خاکساری سے ہم رنگِ خاک
وہ ہے صحبتِ ناکساں سے نفور — ہے عرفاں سے آگاہ اس کا شعور
بہر رنگ عرفاں سے ہے کامیاب — ہے آزادِ تکلیف و رنج و عذاب
یہ عرفانیت ہے یہ حُسنِ تمیز — نہ دے وقت کو ہاتھ سے اے عزیز
میں راز اس کا کرتا ہوں تجھ پر عیاں — جو ہے مایۂ نازِ ہر دو جہاں
بری ہے وہ آغاز و انجام سے — بہت دور اوہام و افہام سے
وہی سوزِ آتش وہی سازِ آب — وہی ذرّے ذرّے میں ہے آفتاب
بری حق سے ہے اور باطل سے دور — مگر ہے بہر رنگ شامل ضرور
وہی آنکھ ہے اور وہی گوش ہے — وہ مستی و ہستی وہی ہوش ہے
وہ برتر ہے زیبا اُسے برتری — اسی کو ہے موزوں جہاں پروری
اسی کی طرف سے سب آئے اِدھر — اسی کی طرف جائیں گے لوٹ کر
جہان و زمان و مکاں ہے وہی — حواس و قیاس و گماں ہے وہی
وہی آشنا اور بیگانہ ہے — وہی مسجد و دیر و بت خانہ ہے
وہ مائل بخود اور مستغنی ہے — محیطِ جہاں اس کی دارائی ہے
صفت سے بری اور ہمہ تن صفات — نہیں ذات لیکن ہے پھر عینِ ذات

روندہ بھی ہے اور آئندہ بھی — نشیننده، جنبنده، پاینده بھی
جو کوشش کرے عقل باریک بیں — نہیں آئے گا وہ بفہم و یقیں
بہت ہی قریب اور بہت ہی بعید — خموشی بھی ہے اور گفت و شنید
ہے مقسوم بھی غیر مقسوم بھی — نہاں بھی ہے وہ اور معلوم بھی
فنا و بقائے جہاں اس سے ہے — اسی کی بدولت ہے ہر ایک شے
مہ و مہر میں جلوہ گر اُس کا نور — اسی کی تجلّی ہے نزدیک و دور
ہے عارف وہی اور وہی معرفت — اسی کی طرف سب کی ہے بازگشت
یہ دل اس کی منزل وہ اس میں مکیں — یہیں سے ہے وہ تا بعرش بریں
ہے کیا جسم و عرفاں یہ میں نے تجھے — مفصل بتایا ہے اے نیک پے
سمجھتا ہے وہ معنیِ گفتگو — کہ ہے جس کا مقصد مری جستجو
بجز پرکھ کچھ بھی نہیں واقعی — نقاب اس کے رُخ پر ہی پرکرت[1] کی
اسی پردے سے ہے نمود صفات — ہے اس پردے سے دور وہ عین ذات
جو ہے پرکھ و پرکرت سے آشنا — تناسخ کے ہے بند سے وہ رہا
ہے فرماں روائے بدن پرکھ[2] ہی — بنائے بدن ہے اسی سے قوی
وہ ہے مغز اور پوست میں مستتر — ہے اس پردے میں خود ہی جلوہ نگر

---

[1] قدرت - مادہ - [2] نفس ناطقہ

شناسندہ، بینندہ، دانندہ ہے
ہر اک شے کا وہ آفرینندہ ہے

ہے گیرندہ ہر مزہ در جہاں
مزہ بھی ہے ہر شے میں خود بے گماں

بدن سے ہے باہر بدن میں بھی ہے
تغیر با جسام شان اس کی ہے

تجلی سے اُس کی تو ہو آشنا
وہ ہے پردے پردے میں جلوہ نما

کسی کی نظر آب اور گِل پہ ہے
کوئی حلقہ زن خانۂ دل پہ ہے

گھلاتا ہے کوئی ریاضت میں تن
کوئی بت پرستی میں ہے خود مگن

کوئی جگ دخیرات کا اہتمام
کیا کرتا ہے اس کی خاطر مدام

کوئی اُس کا افسانہ باگوشِ دل
سُنا کرتا ہے شوق سے منفعل

یہ سب اس کی منزل کے ہیں راستے
نہیں مرتا اُس کا پجاری جو ہے

تعین کے پردے کو رکھ درمیاں
ہیں پیوستہ باہم مکین و مکاں

ہے پیش نظر جو کچھ ہے اس کی شاں
وہ ہے جلوہ پرداز کون و مکاں

وہ قائم بخود اور سب رفتنی
ہیں محتاج سب اُس کے اور وہ غنی

ہر اک شے میں تو اس کو یکرنگ دیکھ
بہر رنگ تغیر نیرنگ دیکھ

تجھے جبکہ ہوگا یہ حاصل مقام
دل اور جان ہوں گے ترے شادکام

یہ بہتر ہے تیرے لئے ہر گھڑی
کسی کے بھی حق میں نہ کر تو بدی

عمل کا ہے پرکرت سے واسطا
تعلق ہے خود پُرکھ سے ماورا

ہے کثرت کے پردے میں وحدت نہاں
ہے وحدت سے کثرت کا جلوہ عیاں

وہ باقی ہے فانی نہ ہوگا کبھی | ہے اُس کے لئے دائمی زندگی
برنگ فلک ہے محیطِ جہاں | مگر اپنے مرکز پہ ہے جاوداں
چمک اس کی ہر ایک منزل میں ہے | چمن میں ہے گل شمع محفل میں ہے
ہے سمجھے ہوئے صاحبِ آگہی | وہ پرکرت سے ہے جدا واقعی
غرور اور ہے خود پسندی بُری | دکھاتی ہے اِنساں کو راہ بدی
گرفتار غفلت ہیں اہل غرور | یقیناً ہیں یہ مقصد دل سے دور
جو اس بارگہ میں تو ہو باریاب | تو ہو مقصد خاص میں کامیاب

ادھیائے چہاردہم نرگن جوگ نام

تفصیلِ صفات طبیعی

سخن جو کہ ہے زینتِ ہر سخن | زباں پر مری اب ہے پرتو فگن
جو غواص دریائے مضموں کا ہے | وہی مستحق در مکنوں کا ہے
فنا و بقا سے بھی ہے بے نیاز | بخلق و کرم ہے بڑا دل نواز
زماں نہ مکاں اور نہ کل کائنات | کئے جس نے پیدا بذات و صفات
ہے وہ برہم اور تخم کی طرح سے | وہ رکھتا ہے پرکرت ہی میں مجھے

جہاں مجھ سے ہوتا ہے پھر یوں عیاں
شجر تخم سے جس طرح بے گماں

پدر ہوں میں عالم کا اس طور سے
مری بات کو سن ذرا غور سے

ہیں پرکرت[1] سے تینوں گن آشکار
کہ جن سے یہ عالم ہوا استوار

ست[2] ورج تمو ھی تو اے نیک پے
ہیں اجسام میں روح کو باندھتے

ستو گن مصفا ہے آئینہ ساں
ہے تسکینِ دل اور آرام جاں

وہ ہے باعثِ دانش و آگہی
نجات اس سے ہوتی ہے انسان کی

رجو گن ہے بالکل تمنا و شوق
علاقہ و کردار کا ہے وہ طوق

تمو گن سراسر ہے جہل آفریں
وہ کاہل بنا دیتا ہے بالیقیں

ستو گن کا غلبہ ہے آرام جاں
وہ ہے نور عرفانیت بے گماں

رجو گن کی زور آوری کا اثر
ہوا کرتا ہے کرم و کردار پر

تمو گن کے غلبے سے بے دانشی
نمایاں ہوا کرتی ہے ہر گھڑی

شکست رجو گن تمو گن سے ہی
ستو گن کو ہوتی ہے بالاتری

ست اور تم کے دب جانے سے ہر زماں
رجو گن کا ہوتا ہے غلبہ عیاں

ست اور رج کی مغلوبیت سے بفور
تمو گن کا بڑھ جاتا ہے زور و شور

بحالِ ستو گن جو دیتا ہے جان
ہے وصل اس کو حاصل مرا بیگماں

---

[1] مادہ [2] ستو گن صفت علمیہ۔ رجو گن صفت عملیہ۔ تمو گن صفت جاہلیہ۔

جو مرتا ہے پی کر رجوگن کا جام
وہ پاتا ہے نیکوں کی صف میں مقام

تموگن میں آتی ہے جس کی اجل
وہ پاتا ہے جہل و حمق کا محل

نتیجہ ستوگن کا ہے کار نیک
تمو اس سے پاتا ہے کردار نیک

رجوگن کے پابستہ کو ہر گھڑی
حکومت کی الجھن نہیں چھوڑتی

بناتا ہے تم بے خرد مرد کو
وہ پہچانے کیا جوہر فرد کو

ستوگن بناتا ہے عرفاں شناس
رجوگن ہے حرص و طمع لے قیاس

تموگن سراسر ہے مستی و جوش
بناتا ہے انساں کو غفلت فروش

ہے ست کی توجہ بطرف عُلا
رجوگن گرفتار حرص و ہوا

تموگن کی مستی بہ تحت الثریٰ
گرا دیتی ہے مرد کو بر بلا

میں ہوں ان گنوں کی حدوں سے پرے
بچشم حقیقت مجھے دیکھ لے

جو ان تینوں گن سے جدا ہو گیا
وہ مل کر خدا سے خدا ہو گیا

پھر ارجن نے پوچھا خدا کے لئے
ذرا مجھکو اتنا تو بتلائیے

جو اس پار ان سہ گنوں سے ہوا
اسے جاننے کی علامت کی کیا

وہ کرتا ہے اس رہ کو کس طرح طے
کہو کیا طریق عمل اس کا ہے

کہا سن کہ جو شخص آزاد ہے
بہر حال یک جلوہ دل شاد ہے

وہ تکمیل مقصد سے شاداں نہیں
وہ ناکامیوں سے پریشاں نہیں

اسے دشمنی دوستی کا خیال
نہیں کرتا ہے یک نفس پائمال

ادھیائے پانزدہم پرکھوتم جوگ نام

اتصال شریف ترین رجال

یہ ہے کائنات اک درخت عجیب
کہ جڑ[1] جس کی اوپر ہے اے خوش نصیب

ہیں شاخ[2] اُس کی نیچے کو پھیلی ہوئیں
ہیں وید اُس کے پتے اسے کر یقیں

وہ ہے پائدار اور ناپائیدار
پہ ہے مثل آبِ رواں بے قرار

جو اس بھید سے ہے یہاں آشنا
وہ ہے معنیٔ وید کا رازداں

تو اس کاخ دیرینہ میں دیکھ اسے
پراگندہ اس کی ہر اک شاخ ہے

گنوں سے ہے شاخوں کا اس کی ظہور
وہ جھکتی ہیں بارِ ہوس سے ضرور

ہے میل اُن کا یوں تو بہ بالا روی
مگر حرص کے بوجھ سے ہیں جھکی

خواص حواس اُس کے ہیں برگ و بار
ہوس کی ہوا سے ہے وہ بے قرار

ہیں اعمال ریشوں سے اسکے بندھے
حقیقت کی نظروں سے تو دیکھ لے

ہے خواہش یہ بہتوں کی ہر صبح و شام
سمجھ لیں حقیقت کو اس کی تمام

---

۱ مراد حق تعالےٰ سے کہ سب سے اعلیٰ ہے ۲ برہما و ہمہ مخلوقات متنوعہ۔

ہیں ایک اس کے نزدیک شادی و غم ہے آزاد احساس درد و الم
گنوں کے تغیر سے ہے آشنا سمجھتا ہے عجز و تکبر ہے کیا
ہے محفوظ ہر گن کی تحریک سے وہ کرتا ہے مغلوب انہیں پے بہ پے
علاقہ کسی سے بھی رکھتا نہیں مسافر ہے دنیا میں وہ بالیقیں
وہ ہو سنگ و گوہر کہ لعل و ذہب نگاہوں میں اس کی برابر ہیں سب
ہے نفرت کسی سے نہ اُلفت اُسے بہر رنگ وہ دیکھتا ہے مجھے
نہ فخر اس کو اوروں کی عزت پہ ہے ندامت نہ کچھ اپنی ذلت پہ ہے
وہ ہے مدح و ذم سے بہت دور دور ہے اک حال میں وقت رنج و سرور
ہے کردار میں اپنے وہ بردبار ہے دنیا میں آٹھوں پہر حق گزار
الگ ہے وہ دنیا کے ہر کام سے ہے محفوظ ہر طرح اس دام سے
گناتیت[۱] اس آدمی کا ہے نام گنوں سے اُدھر ہے جو عالی مقام
مری یاد میں رہتا ہے ہر گھڑی ہے سرمست میخانۂ سرمدی
میں صورت بھی ہوں اور معنیٔ ذات ہمہ تن حقیقت ہمہ تن نجات
میں ہوں دین مستحکم و بے زوال بہر طور ہوں انتہائے کمال
ہے خلوت جو آرام کی انتہا اسی سے میں جلوت میں لایا گیا

---

۱ بلند از ہر سہ صفات و متوصل بہ حق۔

یہ راز اُن پہ ہو جائے بالکل عیاں ہے کس طرح اُن کی بہار و خزاں
تبر ہاتھ میں بے نیازی کا لے ہے جڑ اس کی گہری تو کاٹ اسکو دے
پھر اس منزل خاص کو ڈھونڈ لے جہاں سے نہ پھر لوٹ کر آ سکے
ہو اس خلوت خاص میں یوں مقیم کہ ہوں جان و دل کامیاب نعیم
جو ہے پاک اور صاف ہمرنگ جان وہ ہے منزل وصل میں شادماں
نہیں ہے شعار اس کا کبر و منی ہے محبوب اس کو سرافگندگی
الگ ہے تمنّا کے ہر دام سے کسی کا نہ دشمن نہ وہ دوست ہے
ہے کیا بات اس خلوت خاص کی وہاں مہر کی ضو نہیں پہنچتی
جو اس جلوہ گہہ میں ہوا باریاب ہوا لذت وصل سے کامیاب
نہ لوٹا اِدھر پھر جو پہنچا وہاں کچھ اس طرح وہ ہو گیا شادماں
ہے پرتو مرے نور کا نور جان میں رہتا ہوں نزدیک دل آشفتاں
دل اور پنج حس کو پس از مرگ جان ہے لیجاتی ساتھ اپنے یوں بیگماں
کہ خوشبو و بدبو کو لے کر ہوا اُڑے جس طرح درمیان فضا
یہ جاں پنج حس[۱] کو بھی اور دل کو بھی ہے رہ رہ کے اپنی طرف کھینچتی
دل و پنج حس رہتے ہیں وقف کار بہ پابندی جسم میں اپنے یار

---

۱ سامعہ و باصرہ و لامسہ و ذائقہ و شامہ۔

جو ہے عاشق خالق دو جہان ۔۔۔ ہویدا سب اس پر ہیں احوال جاں
جو پابندِ لذاتِ حس ہو گئے ۔۔۔ وہ نادان ہو کر جئے کیا جئے
بدن میں ہے پوشیدہ گو نورِ جان ۔۔۔ مگر دیکھتے ہیں اسے عاشقان
دلے ہیں جو پابند بے دانشی ۔۔۔ طریقہ ہے اُن کا سخن پروری
مجھی سے تو ہے روشنی کو فروغ ۔۔۔ سحر کا تو دعویٰ ہے مطلق دروغ
یہ آگ اور یہ نورِ شمس و قمر ۔۔۔ مجھی سے ہیں سوزندہ تابندہ تر
مجھی سے ہے ہستی کا ہر انتظام ۔۔۔ ہیں ممنونِ رحمت مرے خاص و عام
مجھی سے تو ہے چاند کی چاندنی ۔۔۔ نباتات کو دیتا ہوں زندگی
فراموشی و یادِ عالم ہوں میں ۔۔۔ زمانے میں شادی و ماتم ہوں میں
میں ہوں وید اور معنیِ وید بھی ۔۔۔ میں ہوں یاس بھی اور اُمید بھی
میں ہوں وہ کہ ہے وید میری زبان ۔۔۔ بلند عرش سے ہے مرا آستاں
جہاں کیا ہے نظمِ وجود و عدم ۔۔۔ ہے گویا کہ اک گیسوئے خم بخم
فنا سب کو لیکن ہے اس کو بقا ۔۔۔ خودی کو مٹا کر جو حق سے ملا
اجھر[1] جان و جھر[2] قالب رفتنی ۔۔۔ اجھر کو حیاتِ ابد ہے ملی
ہے شان اس کی روشن جہاں در جہاں ۔۔۔ ہے روزی دہندہ بہ ہر انس و جاں

---

[1] نفس ناطقہ [2] اجسام ملکی جنّی و انسی و حیوانی و نباتی و جمادی کہ در معرض زوال و فنا ہیں۔

میں وہ ہوں کہ خود سے ہوں خود آشنا
ہوں بالا زحدِ فنا و بقا

سمجھتا ہوں میں یہ کہ میں کون ہوں
تو پھر کیوں گرفتارِ تن میں رہوں

میں ہوں پُرکھ[1] کامل بہ عرفانیت
ہوں مسجودِ عالم بصد منزلت

شناسا ہے وہ مردِ کامل مرا
مری یاد ہے جس کے دل میں سدا

بتائے تجھے سب ہی رازِ نہاں
دکھائے تجھے اپنے اعزاز و شاں

بدانش خبردار و ہوشیار رہو
نہ سو خوابِ غفلت میں بیدار ہو

جو سمجھا وہ منزل پر اپنی گیا
یہ ناداں گرفتار آفت رہا

ادھیائے شانزدہم دیو و اسرنیت

دولت ملکی و شیطانی

جو رکھتا ہے چھبیس ۲۶ یہ خصلتیں
ہیں حاصل اسے عظمتیں رفعتیں

صفائی دل اور پاکیزگی
شجاعت بھی ہمت بھی اور عاجزی

تن و جان کا بھی دھیان اور دمبدم
بعشقِ حقیقی اُٹھانا ستم

---

[1] عارف اور متوصل بہ حق یہ لفظ نفس ناطقہ کے لئے بھی آیا ہے۔

وہ خیرات کرنا کہ جو ہو سکے
وہ تخم وفا بونا جو ہو سکے

تصرف میں لانا سب اپنے حواس
یہ ہے کار نیکو بحدِ قیاس

ہے رکھتا خیال ہر گھڑی موت کا
ہے کامل وہی جو ہے مرگ آشنا

اطاعت کا کرنا بھی اور جگ کا بھی
ہے دل سے کسی کی مدد کرنا بھی

دل و جان کا تزکیہ بر محل
اور ان کو لگانا بہ علم و عمل

رہ زاہدانہ پہ چلنا بجان
اور اس دانگہہ سے رہائی کا دھیان

ہے کم بولنا اور سچ بولنا
یونہی امتحاں لینا ہے ضبط کا

غضب اور غصے سے رہنا جدا
کسی کو بھی ایذا نہ دینا ذرا

سخی اور رہونا قناعت شعار
مکدر نہ ہونا کبھی زینہار

ہر اک کام کرنا بلطف و خوشی
سبھی چھوڑنا لذتیں نفس کی

برے کام سے شرم کرنا مدام
دل نرم خو کا بڑھانا مقام

مصیبت میں لینا تحمل سے کام
نہ کرنا جو ہے اس سے بچنا مدام

حسد ہے برا اس کو بھی چھوڑنا
ہر حاسد مصیبت میں ہے مبتلا

صفا رکھنا ظاہر کو باطن کو بھی
زمانے میں رہنا بصد عاجزی

ہر اک وہ کہ جس میں ہیں یہ شش خصال
نہ پہنچے گا ہرگز بہ بزم وصال

ریا سیرتی مکر اندیشگی
غرور و تکبر جفا پیشگی

قساوت تعزز بجوش خودی
سمجھنا کچھ اپنے کو باصد خوشی

ستم اٹھی ہے بلائے عظیم — کہ بہرِ شیاطیں ہے اجرِ رجیم
فرشتہ صفت وصل سے کامیاب — شیاطین ہیں مبتلائے عذاب
تو ار جن فرشتہ صفت ہے نہ ڈر — نہیں مثل ناداں تو غفلت اثر
جہاں میں ہیں دو طرح کے آدمی — ہیں اک وہ بیاں جن کی حالت ہوئی
دوم وہ کہ منکر جو ہو کر مرے — عذاب دو عالم ہیں سر پر لئے
نہیں صدق دل سے جو پڑھتے ہیں وید — کلام الٰہی سے ہیں ناامید
حدِ حق سے گزرے ہیں باطل ہیں وہ — رہِ رسم منزل سے غافل ہیں وہ
بہ انکارِ حق ہے یہ ان کا بیان — ہے آمیزش مرد و زن سے جہان
جو رکھتے ہیں اس طرح کا اعتقاد — ہیں ہر دم گرفتار دامِ فساد
ستم کرتے ہیں اور جفا کرتے ہیں — ہیں جاہل کہ باطل کا دم بھرتے ہیں
وہ پابند ہیں خواہش نفس کے — جفا کرتے ہیں عشرتوں کے لئے
سراپا تکبر ہمہ تن غرور — رہِ حق سے ہیں زندگانی میں دور
ہیں بدمست غفلت کے پابند ہیں — رضائے شیاطیں سے خورسند ہیں
شب و روز ہیں فکر بد میں لگے — تمنا کی راہیں وہ کرتے ہیں طے
ہیں قیدی زنجیر حرص و ہوا — سراپا غلو ہیں بفکر خُدا
تمنائی عیش و عشرت ہیں سب — گرفتار زندانِ غفلت ہیں سب
بجور و ستم جمع زر کرتے ہیں — تہِ بار عصیاں بسر کرتے ہیں

سروں میں ہیں اُن کے عجب شورشیں
تمناؤں میں یوں وہ پابند ہیں

یہ کہتا ہے کوئی بزعمِ خودی
مجھے آج یہ شے میسر ہوئی

کل اس سے بھی بڑھ جائیگی خوب تر
بہت جمع کر لوں گا ہیں مال و زر

یہ کہتا ہے کوئی جو چاہوں کروں
جسے چاہوں کر دوں میں پست و زبوں

بہر لمحہ یہ ہے کسی کا گماں
نہیں دوسرا کوئی مجھ سا یہاں

میں عارف بھی ہوں اور کامل بھی ہوں
ہوں آقا بھی حاکم بھی عادل بھی ہوں

مہیا ہیں میرے لئے نعمتیں
ہیں حاصل مجھے ہر طرح لذتیں

ہے دنیا بھی میرے لئے دین بھی
کہاں مجھ سا خوش بخت ہوگا کوئی

مری طرح کوئی نہیں شادماں
ہے حاصل مجھے نعمتِ دو جہاں

شریف النسب در زمانہ ہوں میں
ہوں بے مثل دُرِّ یگانہ ہوں میں

میں خیرات و جگ کرتا ہوں سربسر
نکوکاریوں پر ہے میری نظر

اسیرِ کمندِ ہوا ہیں یہ سب
گرفتارِ دامِ بلا ہیں یہ سب

سراسر غلط ہوتی ہے ان کی رائے
سقر ہے پس از مرگ ان سب کی جائے

زر و سیم پر اپنے کرتے ہیں ناز
نہیں آتے ہیں سرکشی سے یہ باز

بزرگوں کی باتیں بسمعِ رضا
نہیں سُنتے بیدانشی سے ذرا

اطاعت بہ مکر و ریا کرتے ہیں
بے خودستائی جیا کرتے ہیں

بہر رنگ کرتے ہیں جور و جفا
ہے انساں کا آساں انھیں مارنا

گریزاں ہیں مجھ سے یہ شام و سحر
ہیں آوارہ ہر سو لیئے شوق دگر

یہ بے عقل ہیں اور غافل بھی ہیں
ستمگر بھی ہیں اور جاہل بھی ہیں

یہ جگ کے لیئے یہ کیا کرتے ہیں
کہ جاں دار کی جاں لیا کرتے ہیں

گناہوں سے اس طرح بھر جاتے ہیں
بجسم سگ و خوک و خنزر جاتے ہیں

طمع خشم اور شہوت اے جان جاں
یہ دوزخ کے دروازے ہیں بیگماں

ان ہر سہ دروں سے گزرنا بُرا
نہیں ٹھیک ان میں کوئی راستا

جو ان تینوں راہوں سے بچکر چلا
پتہ اس کو منزل کا اپنی ملا

نہیں مانتا ہے جو احکام وید
وہ مقصود سے اپنے ہے نااُمید

جو رکھتا ہے مقصد کو مدنظر
وہ کرتا ہے پابندیٔ شاستر

خلافِ بزرگاں نہ کرنا ہے خوب
بآئینِ خود جان دینا ہے خوب

ادھیائے ہفتدہم ترک بھاگ جوگ نام

کہا پھر یہ ارجن نے با صد نیاز
کہ اے واقفِ دہر وہستی طراز

بتا مجھکو احوال اس شخص کا
محبت ہے جس کی بیادِ خُدا

اصولوں سے وہ شاستر کے مگر
الگ ہے نہیں رکھتا اُن پہ نظر

وہ ہے کون سے گن کا حامل یہاں
ذرا دیجئے مجھکو اس کا نشاں

یہ فرمایا سن ارجن خوش گماں / ارادت کی ہیں تین قسمیں یہاں
ہے جو کچھ بھی کوزے میں دل کے بھرا / ٹپکتا ہے اُس سے وہی برملا
پرستش میں ہے دیوتاؤں کی جو / ستوگن کا حامل اسے تم سمجھو
رجس[1] یکش[2] و راچھس کو ہے پوجتا / شیاطیں کی پوجا ہیں تم[3] ہے لگا
جو ہیں اپنے آئین مذہب سے دور / ریاضت ہے ان کی سراسر قصور
انہیں رہتا ہے ہر گھڑی یہ خیال / کہ سمجھے انھیں خلق صاحب کمال
وہ رہتے ہیں ہر دم گرفتار غم / کیا کرتے ہیں اپنے اوپر ستم
شیاطیں سے رہتے ہیں یہ سب قریب / فریبندۂ دہر ہیں بے نصیب
مجھے بھی کہ ہوں جان ہر جسم کی / اذیت پہنچتی ہے اُن سے بڑی
مطابق ارادت کے اے باصفا / ہیں سہ قسم جگ اور زہد و غذا
غذا ہائے مرغوب اور خوش گوار / وہ کھاتے ہیں ست گن ہی جن کا شعار
غذائیں جو ہیں گرم اور جوش خیز / نمک سود و پر شور اور تلخ و تیز
مضر اور ناقص بہت ناگوار / انھیں اہل رج کرتے ہیں اختیار
جو ٹھنڈی ہیں باسی ہیں اور بدمزہ / انھیں اہل تم کھاتے ہیں برملا
جو بے خواہش اجر جگ ہی یہاں / نہیں جس میں نفسانیت کا گماں

---

[1] رجوگن [2] جن و خبیث و مُردگان منقلب و کہترین۔ [3] تموگن۔

بہ آئین مذہب بہ تسکین دل
وہ ہے اہل ست گن کی اور مستقل

نتیجہ طلب اور جو ہے خودنما
بہ تقلید یج اس کا ہے واسطا

بغیر ارادت بغیر کتاب
ہے جگ کرتا تائید تم بے حساب

نہ افسوں نہ خیرات اور نے طعام
جو ہے بے ارادت یہ ہر اس کا کام

یہ ہے طاعت جسم باصد نیاز
ہر اک فعل بد سے کرے احتراز

پدر کی بھی اور دیوتاؤں کی بھی
اطاعت کرے دل سے باصد خوشی

جو ہیں پیر و اُستاد اہل نظر
رہے اُن کی طاعت میں شام و سحر

تفرید و تجرید ہو خوش مآل
رہے دل میں تطہیر تن کا خیال

سخن کی عبادت یہ ہے بالیقیں
جو نکلے زباں سے وہ ہو دل نشیں

بشیریں زبانی و آہستگی
کرے ہر طرح شاد ہر اک کا جی

بوقت سخن تا بمقدور خویش
نہ زخم زباں سے کرے سینہ ریش

سمجھتا ہے وہ جو ہے روشن ضمیر
کہ حرف خوش آئند ہے دل پذیر

بہ درس علوم و بہ ذکر خدا
رہے گرم تقریر صبح و مسا

ہے دل کی اطاعت میں یہ لازمی
فرو کرکے غصّے کو رہنا خوشی

بہر رنگ ہر اک سے ملنا سدا
اور آئینۂ دل کو رکھنا صفا

ہے ضبطِ دلِ خویش کار صواب
ہے خوش خلق رہنے میں عفت مآب

اگر بے غرض کوئی اے خوش گماں
کرے ان اطاعات کو در جہاں

ستوگن کا حامل ہے وہ بے قصور — ستائش کے قابل ہے اس کا شعور

یہاں جو ہے دل دادۂ آرزو — وہ ہے راجسی اے پسندیدہ خو

پئے خلق جو کوئی خونخوار ہے — وہ ہے تامسی[1] اور ہوس کار ہے

بھلائی ہر عالم میں ہے خوش نما — بڑا ہے نکوکار کا مرتبا

جو بے خواہش اجر دیتا ہے زر — نکوئی ہیں اس کی ہے حق مستتر

اسے اہل دل کہتے ہیں ساتگی[2] — خدا اس سے خوش وہ خدا سے خوشی

اگر مال دے بہر خواہش کوئی — سمجھ لیجئے اس کو ہے راجسی[3]

ہے اپنی غرض کے لئے بے قرار — اسے چاہیئے شہرت و افتخار

تیہ کرتا ہے تامسی[4] اپنا مال — علی الرغم مذہب ہے خذلاں مآل

ازل ہی سے تین حرف ہیں ادم کے — انہیں سے دو عالم کے نقشے بنے

ہوا ایک تین اور ان تین سے — سب اجزائے عالم مرتب ہوئے

الف سے برہما پھر اس سے زمیں — پھر آتش بھی اور وید بھی بالیقیں

ہوئے حرف دوئم سے بشن جلیل — پھر ان سے ہوا انترکش[5] بے مثیل

انھیں سے ہوئی یاد اور یجر وید — یہ ہیں خالق ہر دو عالم کے بھید

ہوئے حرف سوئم سے اے راست بیں — مہادیو و خورشید و خلد بریں

---

۱ تموگنی ۲ ستوگنی ۳ رجوگنی ۴ تموگنی ۵ آکاش۔

اُنہیں سے ہوا سام وید آشکار — اُنھیں سے اتھر وید بھی کر شمار

الف سے ہوا رنگ اصفر عیاں — ہویدا ہوا اس سے رج[١] بیگماں
ہے ابیض کا حرف دوئم سے وجود — ستوگن کی اس سے ہوئی ہے نمود
سیہ رنگ ہوا میم سے آشکار — ہے اس پر تموگن کا دار و مدار

الف ہے بتاثیر سوزندہ نار — ہے چاند اس سے اور چاندنی کی بہار
بتاثیر خورشید ہے حرف میم — وہ ہے مرکز کارہائے عظیم
ہے مربوط ان تینوں سے کائنات — صفت ہیں یہ سب اور وہ عین ذات
کر آغاز ہر کام کا اوم سے — نہ تا اقتدا سے تو باہر رہے
بہ علم الیقیں ہے یہی اسم ذات — جو ہے اس کا ذاکر وہ ہی خوش صفات
ہے انکار حق ازتکاب گناہ — کہیں بھی نہ پائے گا منکر پناہ
رہ و رسم آئین مذہب تمام — ہیں اپنی جگہ قابل احترام
جو منکر ہے اُن کا ہے بے اعتقاد — بہر حال ہے بانیٔ شر و فساد

---

[١] رجوگن۔

ادھیائے ہشتدہم سنیاس جوگ نام

بیان اتصال نجاتی

کہا پھر مجھے دیجئے آگہی ۔ حقیقت ہے کیا تیاگ و سنیاس کی
مرا شوق مفرط ہے حد سے فزوں ۔ مجھے پھونک ڈالے گا سوزِ دروں
کہا پہلے کر ترک ہر آرزو ۔ لے پھر نام سنیاس کا مجھ سے تو
ہے سنیاس ترک تمنا کا نام ۔ بیادِ خدا رہنا ہر صبح و شام
ہے ترک عمل تیاگ اے راست بیں ۔ تیاگی ہے وہ جو ہے خلوت نشیں
یہ سانکھیہ میں ہے بیان ہو چکا ۔ ستانا کسی کو ہے بے حد بُرا
ہے ترک فرائض گناہ بزرگ ۔ ادا کرنا ان کا ہے کارِ سترگ
بچے فرض کے ترک سے آدمی ۔ ادا اس کا کر دینا ہے لازمی
بہ تحقیق ہیں ترک ۳ قسم کے ۔ ذرا اُن سے تیاگی نہ غافل رہے
نہ کرنا گناہ اور نہ کرنا ثواب ۔ مگر خواہش اجر ہے ناصواب
یہ خیرات اور جگ ہیں زاد المعاد ۔ جو ہیں مستحق ان سے ہوتے ہیں شاد
بہ غفلت کرے ترک ہے تامسی[۱] ۔ ہے یہ ترک تو سر بسر ناکسی

۱ تموگنی۔

سبب ترک کا خوف محنت ہے گر / تیاگی اسے سمجھے پھر خوب تر
تو یہ ترک ہے راجسی[1] بالضرور / جو ہے حد بہبود و مقصد سے دور
نہیں جو کہ ہے طالب اجر کار / نہیں خود کو کرتا ہے فاعل شمار
اسی ترک کا نام ہے ساتکی[2] / ہے اس راہ کا راہرو متقی

حد نیک و بد سے جو ہے بے نیاز / وہی ہر دو عالم میں ہے سرفراز
ہر عالم میں انساں ہے مجبور کار / تفعل سے خالی نہیں جاندار
جو غافل ہے کرتا ہے اپنے لئے / برائے خدا فعل عاقل کا ہے
ہیں سہ گونہ افعال مردم یہاں / کوئی نیک اور کوئی بد بے گماں
کہیں ہیں بد و نیک باہم ملے / کسی کو علاقہ ہے ان دونوں سے
ہے کار نکو کا نتیجہ بہشت / جہنم میں لے جاتا ہے کار زشت
بقید تناسخ ہے وہ مبتلا / بد و نیک سے جس کا رشتہ رہا

سبب پانچ ہی فعل کے ہیں یہاں / انہیں سے ہے انجام کار جہاں
حواس اور تن اور جان اے عزیز / ہے تقدیر اور جہد اے باتمیز

---

۱ رجوگنی ۲ ستوگنی۔

زباں کا ہو تن کا ہو یا دِل کا کام
ہیں موقوف انہیں پانچ پر یہ تمام

سبب ہی یہ ٹھہری ہے جس کی نظر
مسبب سے ہو کیوں نہ وہ بے خبر

سمجھتا ہے میں فاعل کار ہوں
طریق عمل سے خبردار ہوں

حقیقت میں وہ جاہل و غافل ہے
خدا سے ہے دُور اور پُر باطل ہے

ہوا جو کہ قیدِ خودی سے رہا
سوائے خُدا کچھ نہیں دیکھتا

نہیں قتل عالم سے نقصاں اُسے
حدوں سے من و تو کی ہے وہ پرے

ہیں سہ گونہ احکام کردار کے
مری بات کو سُن ذرا غور سے

ہے علم اور عالم بھی علت بھی ہے
ولے کار پابند قدرت بھی ہے

بہ ترکیب گن تین ہیں قسم کار
بہ ہوش دل و جاں انہیں کر شمار

جو ہر جا اسے رکھے مدنظر
بچشم حقیقت رہے حق نگر

اور اس رمز کا بھی رہے رازداں
نہیں منقسم خالق دو جہاں

وہی چشم حق بیں میں ہے سما گئی
اُسے دولت وصلِ حق مل گئی

سمجھتا ہے جو ہے ہر اک جا خُدا
بہر رنگ ہے شان اس کی جُدا

پہنچتا نہیں ہے جو تا حدِ ذات
ہے محدود اس کی نظر تا صفات

اُسے جانئے راجسی بے گماں
بحد رجو گن ہے وہ ہر زماں

جو ہے وقفِ پوجا وہ ہے تامسی — تموگن سے وابستہ ہے اس کا جی
فرائض جو کرتا ہے اپنے ادا — ہے سرگرم محنت بھی با صدق و فا
ہے آزاد ہر خصمی و دوستی — سمجھ لیجئے ہے وہی ساتگی
بتائید دل کرتا ہے جو کہ کام — ملے قلب کو تا کہ عیش دوام
سمجھتا ہے خود ہی کو مختار کار — وہ ہے راجسی اے حقیقت شعار
ہے آزار جاندار جس کو پسند — ہے غفلت میں شام و سحر پائے بند
نتیجے سے ہر کام کے بے خبر — نہ انجام پر ڈالتا ہے نظر
اسی شخص کو تامسی کر خیال — کہ ایذا رساں ہے ہر اک اس کا حال
نہیں آرزومند جو اجر کا — علیحدہ تفاخر سے بھی ہے سدا
بہر حال ہے شاکر و بے ریا — اٹھاتا ہے محنت برائے خدا
نہ مغرور حصول مقاصد پہ ہے — نہ ناکامیوں سے ملول ہو سکے
ہے آزاد ہر زعم ما و منی — اسے جانئے ہے وہی ست گنی

پئے اجر ہے جو کہ مصروفِ کار — ہے اپنی غرض کے لئے سب کا یار
جسے چاہیئے مال و فرزند و زن — ہے شام و سحر وقف رنج و محن
نہیں رکھتا پاکیٔ تن کا خیال — ہے آلودۂ ما و من بے مقال
نہیں قتل انساں سے کچھ اس کو باک — بافعال خود ہے بڑا خوفناک

ہے کام اس کا اپنی غرض کے لئے ۔۔۔ وہی راجسی ہے سمجھ لیجئے

جسے نیک و بد سے نہیں آگہی ۔۔۔ ہے ہر لمحہ آلودۂ گمرہی
سفیہ و تنک مایہ و ہرزہ کار ۔۔۔ جفاکار و حق پوش و غفلت شعار
ریا پیشہ و کاہل و بدسرشت ۔۔۔ ہے مصروف پابندئ کارزشت
اعزہ کی اپنے اہانت کرے ۔۔۔ سیہ کاریوں کی اعانت کرے
ستائے انہیں جو کہ کمزور ہیں ۔۔۔ غرض طور سب جس کے بے طور ہیں
مطیع تموگن ہے ایسا بشر ۔۔۔ خردمند رکھتے ہیں اس پہ نظر

ہیں عقل و تحمل بھی سہ گونہ سُن ۔۔۔ مرتب ہیں یوں وہ بتاثیر گن
تمیز بد و نیک، دھرم و ادھرم ۔۔۔ ہے خوف خدا اور از خلق شرم
تمیز رہ و رسم و آئین کیش ۔۔۔ شناسائی ملت و دین خویش
سمجھنا معانی اُمید و بیم ۔۔۔ برانجام ہر کار ہونا حلیم
ہے مقصود کو رکھنا پیش نظر ۔۔۔ بہرحال رہنا خود آسودہ تر
سمجھنا ہے کیا قدر افتادگی ۔۔۔ ہے کیا قید اور کیا ہے آزادگی
اسی عقل کا نام ہے ستوگی ۔۔۔ ہے واقف ہر اک صاحب آگہی

نہ حق کو سمجھنا کما ینبغی | یہی عقل کہلاتی ہے راجسی
جو اوصاف ہوئے ستاگی کے بیاں | خلاف اُن کے کرنا بہر یک زماں
یہی تامسی کا نشاں جانئے | بقیہ تموگن اسے مانئے

جو کرتا ہے مغلوب اپنے حواس | مساوی ہیں جس کو اُمید اور یاس
جسے پاس انفاس منظور ہے | بہت ذکر حق سے جو مسرور ہے
جسے جذبۂ دل پہ ہے اختیار | شکست تمنا ہے جس کا شعار
تحمل ہے اس مرد کا ساتگی | ہے وہ زندگی میں حریف خودی

نگہداری دین و مقصود و خویش | پئے نام کرنا دل و سینہ ریش
تحمل ہے اس طرح کا راجسی | ہے بدتر تحمل فقط تامسی
کہ رہتا ہے پابند غفلت مدام | سحر کو سمجھتا ہے نادان شام
محیط اس پہ رہتا ہے خواب گراں | ہیں سب کام اس کے جہالت نشاں

یونہی تین قسمیں ہیں آرام کی | جو ہیں جسم اور جان کی تازگی
ہے اک وہ جو بعد ریاضت ملے | فراغت دو عالم سے اس میں رہے
ہے گو ابتدا اس کی تلخی نشاں | مگر آب حیواں ہے وہ بے گماں

دل اس کی طرف ہوتا ہے جب رجوع — بشوق مکمل بذوق خشوع
پہنچ جاتا ہے تا حریم وصال — بہر لمحہ رہتا ہے مست جمال
اس آرام کا نام ہے سانگی — اسے کہتے ہیں جان و دل کی خوشی

وہ راحت کہ ہے جو بفیض حواس — اسے راجسی جانئے بے قیاس
ہے امرت اگرچہ وہ در ابتدا — مگر مثل زہر اس کی ہے انتہا
تقید کا باعث جو آرام ہے — دلی غفلتیں جس کا انجام ہے
نتیجہ ہے خواب اس کا اور بے ہشی — تموگن سے ہے اس کی وابستگی

بری کوئی ان تین گن سے نہیں — فلک پر ہو وہ یا بروئے زمین
کوئی آدمی ہو کہ ہو دیوتا — موثر ہے اُن سے سوائے خدا

ہیں چھائے ہوئے چار برنوں پہ گن — ہے تقسیم اس طرح ان کی تو سن
ستوگن سے وابستہ ہے برہمن — کہ ہے پاک داماں و پاکیزہ تن
دل و پنج حس پر ہے قابو اسے — شکست رعونت بھی کام اس کا ہے
تحمل سے ہے وہ ریاضت گزار — بدرک معانی ہے فرخندہ کار
ہیں محبوب اس کے کتاب اور دیں — بعلم الیقین اور بعین الیقیں

بجوئے ست و رج ہے وہ آدمی — زمانہ جسے کہتا ہے چھتری
سخاوت شجاعت ثبات قدم — مجاہد بہ ہر جا ز طبل و علم
ریاست حکومت سے ہی کام اسے — وہ آگاہ حالِ جہاں رہتا ہے
اسے رہتا ہے پاس جاہ و جلال — جیا کرتا ہے وہ بہ فکر مآل
ہے فرض اُس کا آگاہیٔ فن جنگ — اور اقدام اس کا پئے نام و ننگ
لیا کرتا ہے وہ تحمّل سے کام — اُٹھاتا ہے ہمّت سے ہر اپنا گام

بجوئے رج و تم ہے گردار بیس — مقرر رہیں ہستی میں یہ کار بیس[۱]
زراعت تجارت شبانی کا طور — یہ ہیں کام اس کے تو کر خوب غور

بجوئے تموگن ہے شودر تمام — ہے کام اس کا خدمت بہر صبح و شام
جو ہے اپنی وضع پہ قائم یہاں — ہے شام و سحر خرم و شادماں
ہے ترتیب اعمال خود جو کوئی — کرے بندگی مالک الملک کی
اسے حاصل ہو جاتا ہے ہر کمال — پہنچ جاتا ہے تا حریم وصال
بآئین خود زندگی خوب ہے — فرائض کو اپنے رکھے سامنے

---

۱ تجارت پیشہ۔

عمل اپنا آئے نظر گو خراب — ہے ترک اس کا لیکن بہت ناصواب
ذرا دیکھ آتش کو اے نیک پے — دھوئیں کا اک عیب اس میں موجود ہے
مگر ترک آتش کہاں ہے روا — یونہی اپنے آئین کی ہے اقتدا
جو دانا ہے پابندئ فرض کا — وہ اجر عمل کو نہیں چاہتا
نہیں ہے گرفتار کبر و غرور — فریب خودی سے ہی ہر لمحہ دور
جو ہر کار نیک اس سے صادر ہوا — سمجھتا نہیں یہ کہ میں نے کیا
جو ہوتا ہے ترکِ عمل کا مآل — اسی سے وہ کرتا ہی حاصل کمال
وہ کرتا ہے سب کچھ خدا کے لئے — سمجھتا ہے حق اپنا بندہ اُسے
اُسے جس طرح بھی ہو وصل حبیب — وہ ہوتا ہے رحمت سے اسکی قریب
وہ پہلے ہر اک لذتِ نفس کو — یہاں چھوڑتا ہے بطرز نکو
پھر عقل صحت مند سے متصل — مسخر وہ کرتا ہے جذباتِ دل
غلط رہ سے کرتا نہیں دوستی — کسی سے نہیں رکھتا ہے دشمنی
وہ رہتا ہے خلوت میں کھاتا ہی کم — ہے مقصود صرف اس کا دنیا سے رم
وہ رکھتا ہے محفوظ دل اور زبان — بتائیدِ دیں رہتا ہے ہر زماں
خودی میں نہیں ہوتا ہے مبتلا — سمجھتا ہے رشک و حسد کو بُرا
غرور و تکبر غضب حرص و آز — ہے اُن سب سے وہ ہر گھڑی بے نیاز
ذخیرہ نہ کرنا ہے اُس کا شعار — نہیں محو ہوتا بخویش و تبار

جو ایسا ہی وہ حق سے ہے منتصل
ہمہ تن ہے جاں اور سراپا ہے دل

جسے محویت ہے بشوقِ حبیب
اسے وصل ہر دم ہے اس کا نصیب

کہ مقصد ہے آپ اپنا وہ بے نیاز
بہ ترکِ تمنا ہے خود سرفراز

یہ ہے اس کے عرفانِ حق کی دلیل
برابر ہیں اُس کے لئے مور و فیل

جو عارف ہے میرا ہے مجھ سے قریب
ہو مجھ سا کہ عرفاں ہو تجھ کو نصیب

بھروسہ ہے جس پہ جیسے صبح و شام
بہ تکمیل مقصد ہے وہ شادکام

بتائیدِ حق اس کے ہیں کاروبار
ہے آزاد زحمت سے وہ رستگار

بتائیدِ عقل حقیقت نشاں
دیا جس نے دل اپنا مجھکو یہاں

غم و درد سے اس نے پائی نجات
ہوئی بے نیازِ جہاں اس کی ذات

مری یاد نے اُس کو بخشا یہ ذوق
کہ حدِ جہاں سے بڑھا اس کا شوق

خودی آشنا ہیں یہاں پا بہ گل
نظر اُن کو آتی نہیں راہِ دل

نہیں جنگِ خویشاں سے لازم گریز
بحکمِ مشیّت ہو گرمِ ستیز

تو ہے شاہ، خو ہے شجاعت تری
نمایاں ہے رُخ سے ترے برتری

ہے پابندِ زنجیرِ مردانگی
تری بد دلی ہے یہ دیوانگی

دکھائے گی خو تیری اپنا کمال
ضرور ہوگا تو گرمِ جنگ و جدال

نہیں جنگ خویشاں سے تجھکو مفر
تقاضا مشیت کا ہے یہ مگر

جو عارف ہے وہ اس سے غافل نہیں
جو دل حق کی منزل نہیں دل نہیں

وہ رکھتا ہے گردش میں یہ کل جہاں
ہے قربان اس پر سر عاشقاں

ہے قدرت سے اس کی یہ سب کاروبار
وہ اپنے عمل کا ہے خود ذمہ دار

نہیں فاعل کار ہیں اور تو
سمجھ اس حقیقت کو اے نیک خو

تو رکھ ذات حق سے اُمید پناہ
اسی کے کرم پر ہے لازم نگاہ

اسی کی پرستش میں ہو محو تو
اسی کا ہو گر دیدۂ جستجو

رکھ اس کی طرف ہر نفس چشم و گوش
لگا دل اسی سے بادراک و ہوش

رہے دل میں شام و سحر اس کی یاد
اسی کو تو ہے یاد زاد المعاد

تو کر پارہ اوراق آئین و کیش
اسی کو سمجھ لے دل و دینِ خویش

در معرفت کر دیا میں نے باز
ترے سامنے اے عقیدت نواز

تو ہر بندِ غم سے اب آزاد ہے
بفضل خدا ہر طرح شاد ہے

مری بات سُن دل سے اے باوقار
باخلاص ہے تو مرا راز دار

لگا مجھ سے دل تو نہ جا سوئے غیر
کہ زنداں ہے تیرے لئے کوئے غیر

پرستار رہ میرا ہر صبح و شام
مجھے سجدہ کر بانیازِ تمام

مجھے ڈھونڈھ ہر لمحہ اے باصواب
کہ دیکھے مجھے تاکہ تو بے حجاب

پہنچ جائے گا مجھ تک آخر کبھی
بہر حال میں ہوں ترے ساتھ ہی

رہ و رسم آئین دیں سے گزر
محبت سے آ مجھ تک اے باخبر

میں حامی ہوں تیرا نہ کر فکر تو — کیا کر ہر اک جا مری جستجو
تری خامیوں کو کروں گا میں دور — تجھے بخشدوں گا کمال شعور

جو منکر ہے کب ہے مرا رازداں — نہ کر راز تو میرا اس پر عیاں
نہیں ہے یہاں جو کہ دانا مرا — ہر اک راز تو میرا اس سے چھپا
یہ ناحق شناسان باطل تمام — ہیں جاہل بھی باطل بھی باالالتزام
یہ ہیں ناشناسائے حق بالیقیں — مری بات سُننے کے قابل نہیں
ذرا بھی انہیں تو مخاطب نہ کر — نہیں ان کی ہے جانب حق نظر
یہاں جو ہیں بیگانۂ آگہی — مرا راز اُن سے چھپا ہر گھڑی
جو ہے راز حق کا یہاں آشنا — وہ فردوس میں بے گماں جائیگا

جو ہے معتقد ہے وہی باشعور — ہے منکر عقیدت سے ہر لحظہ دور
عقیدت ہے سرمایۂ سرمدی — اور انکار حق ہے مآل خودی
اہم ہیں بہت یہ سوال وجواب — سُنے جو انہیں دل سے ہو کامیاب
جو ہے زندگانی میں بااعتقاد — نہیں اس کا شیوہ ہی بغض وعناد
ہے فرخندہ انجام اور شادکام — رہا زندگانی میں جو نیک نام
بتا مجھ سے اب تو نہ ہوگا ملول — ہے خویش واقارب کی اُلفت فضول

کہا آپ کے فیض سے سر بسر — نظر ہے مری اب حقیقت نگر
مرے گوشۂ دل میں اب بالیقیں — عزیز و اقارب کی اُلفت نہیں
بعرفانِ حق اب ہوں میں شادکام — کروں گا میں یادِ آپ کو صبح و شام
بعرفانِ حق باندھ لی ہے کمر — نہیں جنگ و پیکار سے اب حذر

کیا پھر یہ سنجے نے شہ سے کلام — عنایت ہے یہ بیاس جی کی تمام
کہ واقف ہیں اس رازِ حق سے ہوا — جو کچھ بھی سری کشن نے تھا کہا
سحر وردِ پاکیزہ عرفاں ہے یہ — دوائے دلِ سینہ ریشاں ہے یہ
عجب گفتگوئے حق اندوز ہے — تسلّیٔ جاں ہے دل افروز ہے
کہوں کیا ظفر کس کے ہے ہمقریں — ہے زیبا کے تخت و تاج نگیں
جہاں ہے سری کشن سا پیشوا — تجلّی ہے جس کی حقیقت نما
جہاں ارجن ناوک افگن بہوش — باقبال و خوبی ہے ہمّت فروش
وہیں عدل و انصاف ہی ہیگماں — وہیں فتح و نصرت کے ہیں سب نشاں

اگر میں کروں فخر ہے یہ بجا
مگر فخر کرنا نہیں خوش نما

تاریخ اسلام کا مکمل کورس

تاریخ اسلام کا یہ مفید سلسلہ جو تاریخ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبولِ عوام و خواص ہو چکا ہے۔ مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے نہایت ہی ممتاز ہے۔ زبان کی سلاست، ترتیب کی دل نشینی اور جامعیت و اختصار اس کی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ ابتک اس کے آٹھ حصے چھپ چکے ہیں۔

جلد اوّل :۔ نبی عربی	(مولفہ قاضی زین العابدین میرٹھی)	۸عہ
جلد دوم :۔ خلافت راشدہ	〃 〃 〃 〃 〃	۸ر ہے
جلد سوم :۔ خلافت بنی اُمیہ	〃 〃 〃 〃 〃	۸ر ہے
جلد چہارم :۔ خلافت ہسپانیہ	(مؤلفہ مفتی انتظام اللہ شہابی)	لعہ
جلد پنجم :۔ خلافت عباسیہ (حصہ اوّل)	(〃 〃 〃 〃)	۱۲ر ہے
جلد ششم :۔ خلافت عباسیہ (حصہ دوم)	(〃 〃 〃 〃)	۱۲ر للعہ
جلد ہفتم :۔ تاریخ مصر	(〃 〃 〃)	۱۴ر ہے
جلد ہشتم :۔ خلافت عثمانیہ	(〃 〃 〃)	۱۴ر ہے

قیمت مکمل سیٹ غیر مجلد چوبیس روپے (للعہ)

〃 〃 مجلد چھبیس روپے (عہ)

مکتبہ بُرہان جامع مسجد۔ دہلی

نعتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہندوستان کے مشہور و مقبول شاعر بہزاد لکھنوی کے نعتیہ کلام کا دلپذیر مجموعہ جسے مکتبہ برہان نے تمام ظاہری دل آویزیوں کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ جن حضرات کو آل انڈیا ریڈیو سے ان نعتوں کے سننے کا موقعہ ملا ہے وہ اس مجموعہ کی پاکیزگی اور لطافت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۲ار

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات

"بین الاقوامی سیاسی معلومات" میں سیاسیات میں استعمال ہونے والی تمام اصطلاحوں، قوموں کے درمیان سیاسی معاہدوں، بین الاقوامی شخصیتوں اور تمام قوموں اور ملکوں کے سیاسی اور جغرافیائی حالات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اسکولوں، لائبریریوں اور اخباروں کے دفتروں میں رہنے کے لائق ہے۔ جلد اوّل جدید ایڈیشن جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد ۸ر

مکتبہ برہان۔ جامع مسجد دہلی

کوثر و تسنیم

یہ حضرت آلم مظفر نگری کا دوسرا مجموعہ کلام ہے اس میں نظم و غزل کا وہ اجتہادی رنگ پایا جاتا ہے جس کو عہد حاضر کا ادبی شاہکار سمجھا گیا ہے۔ ہندوستان و پاکستان کے مشہور و مستند اہل قلم نے اس مجموعہ کے متعلق جو آراء قائم کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ کوثر و تسنیم قدیم و جدید ادب اردو کا بہترین سنگم ہے جو ہر طرح قابل ستائش اور لائق تقلید ہے۔

لکھائی چھپائی بہتر کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے مصنف کی تصویر بھی شامل کتاب ہے۔

قیمت فی جلد تین روپے (سے)

مکتبہ برہان اردو بازار دہلی